ناولز کلب
راہِ حیات
از قلم لبابہ مناہل
: novelsclubb
:read with laiba
03257121842

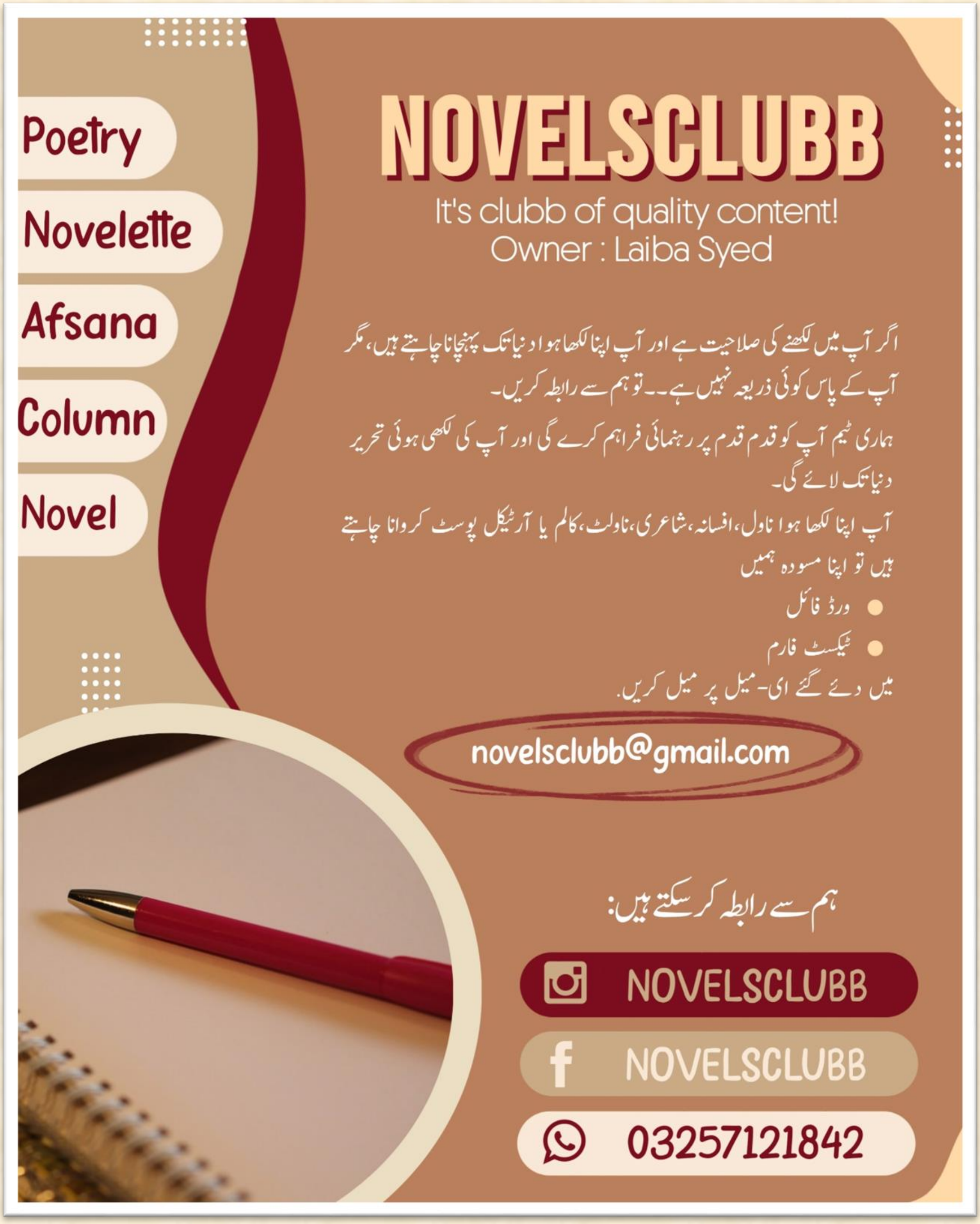

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

راہِ حیات

از قلم

لبابہ مناہل

نوولز کلب
Clubb of Quality Content!

میرے رب کے نام!

اس کے نام جس نے خواتین کو لڑنا سیکھایا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب اول

زندگی ہمیشہ سے میرے لیے ناقابلِ یقین رہی ہے۔ زندگی میں پیش آنے والے واقعات ناقابلِ بیان ہوتے ہیں اور جو بیان کے قابل ہوتے ہیں وہ میرے آنسوؤں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایک عمر تک ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا گیا۔ بہت احتیاط سے، ہر طرح کے پانی سے بچا کر، چاہے پھر پانی صاف ہی کیوں نہ ہو، زیادہ گرمائش سے بچا کر، ٹھنڈک سے دور، مگر زندگی نے جو سبق دینے ہوتے ہیں، جو درد دینا ہوتا ہے، وہ ضرور دیتی ہے۔ یا تو چھالا دیکھتے ہی دیکھتے پھوٹ جاتا ہے اور ساری احتیاطی تدابیر بیکار ہو جاتی ہیں یا بغیر کسی احتیاطی تدابیر کے چھالا بھرنے لگتا ہے۔

مجھے یاد ہے بچپن میں ایک دفعہ استری سے میرا ہاتھ جل گیا تھا اور میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ کوئی اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں اس کے قریب بھی کسی کو نہیں آنے دیتی تھی۔ اتنی احتیاط کے بعد بھی اس میں پانی بھر گیا تھا۔ جب اس میں پانی بھرا تھا تو میں نے احتیاط میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ میں کھانا بھی کھاتے ہوئے اس چیز کی پابند ہو گئی کہ کہیں روٹی کا نوالہ بناتے ہوئے میں اس کو نہ چھیڑ دوں۔ چھالا تھا بھی میرے ہاتھ کی اوپری سطح پر لیکن پھر معلوم ہے کیا ہوا؟ میری احتیاطی تدابیر کسی کام نہ آئیں۔ جس کام کو جس انداز میں ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ جو تکلیف ملنی ہوتی ہے مل کر رہتی ہے، چاہے پھر آپ کسی قلعے میں خود کو قید کر لیں، وہ ہوا کی مانند آپ کے بنائے ہوئے قلعے میں آئے گی اور اپنا کام کر کے فنا ہو جائے گی۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ میرا بھائی دوڑتا ہوا آیا، کسی آندھی کی مانند میرے پاس سے گزرا اور وہ چھالا پھوٹ گیا۔ پانی ابل ابل کر نکلنے لگا نہ صرف میرے ہاتھ سے بلکہ میری آنکھوں سے بھی۔ کچھ دیر کی تکلیف تھی مگر زندگی بھر کا سبق۔

•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

میں گھر میں سب سے چھوٹی تھی، سب سے لاڈلی۔ بے انتہا پیار نے مجھے بگاڑا تو نہیں تھا لیکن کمزور ضرور کر دیا تھا۔ مجھے لگتا تھا جیسے مجھے گھر والے چاہتے ہیں، جیسے وہ مجھ پر جانثار کرتے ہیں، سب کریں گے۔ میں بابا کی جان تھی تو بس پھر میں سب کی جان تھی۔ میں مما کی پیاری بیٹی تھی تو بس سب مجھے پیار اجانیں گے۔ میں بہن کی ساتھی تھی تو بس میں ہر کسی کی ساتھی تھی۔ اگر میرا گھر میں واحد دشمن میرا بھائی تھا جو مجھ سے دشمنی میں بھی بہت پیار کرتا تھا تو سارے دشمن ایسے ہی ہوں گے، بے ضرر۔ چھوٹی چھوٹی شرارتیں کرنے والے، بات بات پر تنگ کرنے والے اور پھر آخر میں میرے ہی قدموں میں بیٹھ کر روٹھی ہوئی کو منانے والے۔ بھلا ایسے ہوتے ہیں دشمن؟

یہ بات بھی مجھے زندگی نے سکھائی۔ قدم بڑھانے پر علم ہوا، بھائی تو بہن کی طرح ہی تھا، ساتھی، خیر خواہ۔ دشمن تو میں نے خود اس کو اپنے بچپنے میں بنا لیا تھا۔ میں پھوپھو کی ننھی گڑیا تھی تو بس سب کی گڑیا تھی۔ میں کسی کی جان بنی کہ نہیں، مجھے کسی نے پیار ابنایا کے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

نہیں، میں اچھی ساتھی ثابت ہوئی کہ نہیں، مجھے دشمنی ویسی ملی کہ نہیں، لیکن مجھے گڑیا سب نے بنالیا۔ میں وہ گڑیا بن گئی جس کو کسی نے سجا ہوا دیکھا اور خرید لیا۔ میں بھی بے زبان گڑیا کی مانند اس کی ہو گئی۔ ایک عمر تک مجھ سے کھیلا اور مجھے پھینک دیا۔ عرصے تک میں ایک اسٹور روم میں پڑی رہی اور پھر مجھے اٹھا کر کام کرنے والی کی بیٹی کو دے دیا، جس نے میری روح کو مزید چھلنی کیا اور مجھے کوڑے دان میں اٹھا کر پھینک دیا۔ یہ تھی پھوپھو کی گڑیا، جو ان کی گڑیا رہی کہ نہیں، مگر لوگوں نے اس کو آخر میں کوڑے دان کا سفر کروایا تھا۔ یہ میرے گھر کا تعارف تھا۔ جنہوں نے مجھے ہاتھ کا چھالا تو بنالیا مگر یہ نہیں بتایا کہ چھالے کے پھٹ جانے پر جو تکلیف ہوتی ہے اس پر کیا کرنا ہے؟ اس کو کیسے برداشت کرنا ہے۔

•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

میرا کنڈرگارٹن میرے گھر کے قریب تھا۔ مجھے اور میری بہن کو کنڈرگارٹن میری مما چھوڑنے جاتیں تھیں۔ ہمیشہ کنڈرگارٹن جاتے ہوئے ایک مخصوص جگہ پر میں ٹھوکر کھا

کر گر جاتی تھی۔ ہر بار گرنے پر مجھے ایک مخصوص جملہ سننے کو ملتا تھا۔ کہنا تو وہ بہت کچھ چاہتی تھیں مگر میرا رونا دیکھ کر خاموش ہو جاتی تھیں۔

"اوپر کدھر دیکھ رہی ہوتی ہو ملائک؟ نیچے دیکھ کر دھیان سے چلو۔ ایسے تو ہر موڑ پر گرو گی۔"

یہ جملہ میری زندگی میں بہت بار کام آیا۔ تب جب میں اپنے کیریئر کی شروعات کر رہی تھی اور پہلے ہی دن سارے اسٹاف کے سامنے میرے باس نے مجھے اس غلطی پر فائر کیا تھا جو میری تھی ہی نہیں۔ مجھے یاد ہے اس دن کی صبح میں نے خواب دیکھتے ہوئے کی تھی۔ اس نوکری سے میں نے کیا کیا حاصل کرنا ہے، کتنی کامیابی اور کتنی ترقی۔ میں اوپر ہی دیکھ رہی تھی جبکہ امی نے کہا تھا،"اوپر کدھر دیکھ رہی ہو ملائک؟" میں امی کا جملہ بھول گئی تھی۔ لیکن جب میں واپسی کے سفر پر گامزن تھی اور میری آنکھ سے آنسو گر رہے تھے، تب مجھے یاد آرہا تھا سب۔ مجھے یاد آرہا تھا کہ کیسے امی خود مجھے اٹھاتی تھیں۔ میں نے خود اٹھنا نہیں سیکھا تھا۔ کیسے مجھے میری بہن بہلا رہی ہوتی تھی۔ مجھے یاد آرہا تھا کہ امی نے کہا تھا،"نیچے

دیکھ کر دھیان سے چلو۔" میرا تو سارا دھیان ہی خلاؤں میں تھا۔ اب جب میں گر گئی تھی اور کوئی نہ تھا مجھے اٹھانے والا تو مجھے امی یاد آئیں تھیں، مجھے بہن یاد آئی تھی، مجھے یاد آیا تھا کہ کیسے وہ مجھے چاکلیٹ اور بسکٹ سے بہلا لیتی تھی۔ کاش وہ ہوتیں۔ کاش وہ مجھے واپس کہتیں کہ "ایسے تو ہر موڑ پر گروگی۔" تو میں ان کی بات پر لبیک کہتی، میں ان کی بات سے فوراً متفق ہو جاتی، سرِ تسلیم خم کرتی۔ مجھے اس دن شدت سے احساس ہوا تھا کہ مجھے جذباتی سہارے کی ضرورت ہے۔ مجھے اپنے آنسو خود صاف کرنے نہیں سکھائے گئے تھے۔ جو کام نہیں سکھائے گئے تھے وہ مجھے نہیں سیکھنے تھے۔ لیکن زندگی کے ہر موڑ پر مجھے ہر وہ کام سیکھنا پڑا جو میں نے نہیں سیکھنا تھا۔ اور ہاں، وہ گھر میں ہاتھ کا چھالا پھوٹ گیا تھا۔ بہت بے دردی سے۔ کسی نے مرہم نہیں رکھا تھا اس چھالے پر، بس ایسے ہی چھوڑ دیا تھا۔

ادھورا۔۔۔

•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

باب دوم

میں زوہیب بن احمد ہوں۔

میں نے زندگی میں کبھی کسی چیز کی خواہش ٹوٹ کر نہیں کی۔ مجھے جو ملا، میں نے اس کو اپنا لیا اور جو نہیں ملا، اس کو جانے دیا۔

میں نے زندگی کے چار سال آغاجان اور ماں جی کے بغیر گزارے ہیں۔ میں پانچ سال کا تھا جب میرے آغاجان اور ماں جی کینیڈا چلے گئے اور میں یہاں خالہ جان کے پاس رہ گیا۔ خالہ جان کے مطابق شروعات میں رونا میرا واحد مقصد تھا مگر اس کے بعد میں نے خاموشی کو تھام لیا۔ ماں جی کا خیال تھا کہ وہاں جاتے ہی میں بھی کسی انداز سے ان تک پہنچ جاؤں گا مگر قدرت کو چار سال کی جدائی قبول تھی۔

آج میں نے پاکستان کی فلائیٹ بک کروائی ہے۔ میں ایک ہفتے بعد کینیڈا سے پاکستان پرواز کرنے والا ہوں۔ اٹھارہ سال بعد میں خالہ جان سے ملنے والا ہوں۔ ماں جی اور آغاجان کے جانے کے بعد مجھے یہ جگہ کبھی اس حد تک تنہا محسوس نہیں ہوئی جتنی آج محسوس ہو رہی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہے۔ مجھے ماں جی کا لمس اس انداز سے کبھی یاد نہیں آیا جس انداز سے خالہ کا لمس یاد آرہا ہے۔ اگر آغا جان ہوتے تو کہتے، "جوان، کبھی باپ کو بھی اس شدت سے یاد کر لیا کرو۔" ماں جی ہوتیں تو ناراض نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہتیں، "ماں سے ملنے کے لیے بھی بے تاب ہو جایا کرو زیب۔"

آج مجھے آپ دونوں اسی شدت سے یاد آرہے ہیں، جیسے پانچ سالہ زوہیب کو آپ لوگ یاد آیا کرتے تھے۔ آپ ہوتے تو میں آپ دونوں کو گلے لگا کر جاتا کہ زندگی میں ماں باپ کے لمس کا انتظار پورے چار کیا تھا میں نے، اور اب تو انتظار مکتوب کر دیا گیا تھا۔

•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

میں آج پرواز کر رہا ہوں۔ اس وقت میں جہاز پر سوار ہوں، ہواؤں سے باتیں کرتا ہوا۔ میں در حقیقت ہواؤں سے باتیں کر رہا ہوں۔ خالہ کی گود میں سر رکھنے کو میرا وجود ترس رہا ہے۔ خالہ جان میری زندگی میں وہ پہلی عورت ہیں جنھوں نے بغیر کسی لالچ کے بے لوث محبت مجھ تک پہنچائی ہے۔

میں اپنے جذبات تحریر نہیں کر سکتا لیکن میں خوفزدہ ہونے کے ساتھ بے انتہا خوش ہوں۔

•~

میں اٹھارہ سال بعد خالہ جان سے ملنے آیا تھا لیکن خالہ جان کے مردہ وجود نے میرا استقبال کیا۔ میں گھر پہنچا تو میں نے گھر کو بند پایا۔ میں حیران تھا کہ خالہ جان اپنے زیب کے لیے تیار کیوں نہ ہوئیں۔ میں نے زبیر کو کال کی اور اس نے مجھے ہاسپٹل آنے کو کہا۔ مجھے نہیں علم تھا یہ دنیا اتنی ظالم ہو سکتی ہے کہ میری بے لوث محبتیں مجھ سے یوں چھین لے گی۔ میں نے ہاسپٹل کی سرد راہداریاں پہلے بھی دیکھی تھیں۔ آغا جان کی موت پر یہ راہداریاں اتنی سرد نہیں تھیں۔ ماں کی موت پر یہ راہداریاں خون کو جما دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں اور خالہ جان کی موت پر یہ راہداریاں جسم سے خون نچوڑ لینے پر قادر تھیں۔

من من بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ میں خالہ کے کمرے تک پہنچا تھا۔ خالہ سانس لے رہیں تھیں۔ وہ زندہ تھیں، اکھڑتی سانس کے ساتھ وہ زندہ تھیں۔ نرس ان کے سامنے موجود تھی۔ میں چلتے ہوئے خالہ جان کے پاس آیا تھا اور ان کے پاس رکھے بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

میں نے ان کا ہاتھ ماتھے سے ٹکایا تھا۔

"خالہ جان، عرصے بعد آیا ہوں۔یہ انتظار طویل تھا،اس کو مزید طویل مت کیجیے گا۔کچھ وقت آپ کے ساتھ گزارنے کا خواہش مند ہوں۔"

ایک آنسو ٹوٹ کر ان کے ہاتھ پر گرا تھا۔ابھی میں مزید کچھ کہتا کہ میں نے کمرے کے دروازے پر ایک وجود کو ٹھہرتا محسوس کیا تھا۔رویا رویا چہرہ منظر پر واضح ہوا تھا۔دروازے پر کھڑی وہ خالہ کو ہی دیکھ رہی تھی۔اس کو دیکھتے ہوئے میری نظریں واپس خالہ پر گئی تھیں اور یہ منظر میری زندگی کا سب سے خطرناک منظر تھا۔خالہ جان کا جسم ساکت ہو گیا تھا۔ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔وہ وجود جو چند لمحات پہلے اکھڑتی سانسیں لے رہا تھا، تکلیف سے ہچکولے کھا رہا تھا،وہ اب مردہ تھا۔

آغا جان کی موت کا منظر نظروں کے سامنے گھوما تھا۔ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں بے جان ہوا تھا۔

ماں جی کی موت بھی ایسی ہی تھی، تب دروازے میں کھڑا وجود میرا تھا۔

اور اب خالہ جان کے ساتھ بیٹھا تھا میں۔

کیا ہر موت مجھے اپنی نظروں کے سامنے دیکھنی تھی؟

اگر ہاں تو یہ ایک کٹھن امر تھا۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

زندہ وجود جب اس دنیا سے کوچ کرتے ہیں تو زندگی میں ان دیکھی اداسی داخل ہو جاتی ہے۔

وہ اداسی جو وجود کو نااُمیدی کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

خالہ جان کے وجود کو جب میں نے کندھا دیا تھا تو مجھے یاد آیا تھا کہ آغا جان اور ماں جی کا وجود بھی اتنا ہی بھاری تھا۔ کندھا دیتے وقت تب بھی جان فنا ہو رہی تھی اور آج بھی جان فنا ہو رہی تھی۔ نمازِ جنازہ پڑھتے وقت آنکھوں سے آنسو بے لگام گر رہے تھے۔ دل طوفانوں کی زد میں تھا۔ جب وجود کو مٹی تلے دفنایا جاتا ہے تو دل کا ایک حصہ ادھر ہی مردہ ہو جاتا ہے۔ خالہ جان کے وجود کو مٹی تلے جب دفنایا گیا تھا تو مجھے لگا تھا کوئی میرا آدھا وجود

ان کے ساتھ دفنا رہا ہو۔ وہ مٹی صرف ان پر نہیں، مجھ پر بھی گرتی محسوس ہو رہی تھی۔ کون کہتا تھا کہ زندگی آسان ہے؟

خالہ جان کی موت کے بعد نجانے کتنی راتیں میں جاگ کر گزار چکا، مجھے کچھ علم نہیں۔ ایک مہینہ ہونے کو ہے۔ خالہ جان کے قول کو پورے کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

ملائک ویسی نہیں رہی تھی جیسے خالہ اس کو بتاتی تھیں۔ شوخ، ہر وقت ہنسنے والی۔ یہ کوئی اور ہی ملائک ہے، ہر وقت خود میں گم۔ اگر وہ کمرے میں بیڈ کے سائیڈ پر بیٹھی ہے تو گھنٹوں اسی مقام پر بیٹھی رہے گی۔ اگر وہ ڈائنگ پر کھانا کھانے بیٹھی ہے تو کھانا کھانے کے سوا سب کر لے گی۔ مجھے تو کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ اس کا وجود بے جان ہو چکا ہے۔ اگر وجود میں جان باقی ہے تو بھی وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا ہے۔ خالو نے ہیلنگ کا جو راستہ ملائک کے لیے چنا ہے، وہ اس کے ساتھ زیادتی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

Clubb of Quality Content

باب سوم

امی کی میت کے ساتھ نہ جانے کتنے لمحے میں سر ٹکا کر بیٹھی رہی تھی۔ ماہم بے ہوش تھی۔ بھائی اور بابا کو دنیا داری بھی تو نبھانی تھی۔ لوگوں کو کھانے میں بریانی ہی چاہیے تھی اور ہم جن کو بھوک عرصے تک اب لگنی ہی نہیں تھی۔

امی کو غسل دیتے ہوئے بھی میں پاس ہی کھڑی رہی تھی۔ مجھے اکثر خواتین نے کہا تھا، "بیٹی! ماں ہے۔۔۔ بچپن میں تجھے بھی نہلاتی رہی ہے۔"

میں کیا کہتی، "میرے اندر ہمت نہیں کہ میں ان کی طرف ہاتھ بڑھاؤں، مجھے زندہ دیکھنا چاہتے ہیں تو مت کروائیں یہ مجھ سے۔" ایسے ہی وقت گزرتا گیا عورتوں کے طنز و مزاح نہ ختم ہونے والے تھے۔ نہ جانے کون سے زمانے کی باتیں تھیں جو ان کو موت کے وقت، میت کو دیکھ کر ہی یاد آتیں تھیں اور انھیں گپوں کے بعد امی کے جنازے کو اٹھانے کا وقت آن پہنچا۔ تکبیرات بلند ہوئی تھیں۔ کلمے پڑھے گئے تھے۔ میرا کیا سرو کار تھا وجود

سے، جب روح رہی ہی نہیں تھی۔ میں کیا کرتی اس وجود کا جس میں زبان تو تھی مگر آواز نہیں۔ وہ وجود جس کی روح سے محبت تھی اس کی روح تو کہیں آسمانوں میں پرواز کر چکی تھی۔ عمارہ آئی تھی۔ میری کالج کی دوست۔ وہ آئی اور بے شمار نصیحتوں کو میرے سپرد کر کے چلی گئی تھی۔ وہ مجھے بار بار رب پر یقین کا کہتی تھی اور میں اسی لمحے رب کی انکاری ہو گئی تھی جب میری ماں کے وجود کو روح نے چھوڑا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے میرا بچپن گھوم رہا تھا۔ کھانے کا میز میرے سامنے تھا۔ میرا آدھا بچپن اس میز پر بیٹھ کر لڑتے ہوئے گزرا تھا۔ ماں کی کرسی کے دائیں جانب بھائی بیٹھتا تھا، بائیں جانب سربراہی کرسی پر بابا بیٹھتے تھے۔ بھائی کبھی مجھے اپنی جگہ دینے پر تیار نہ ہوتا اور میں کبھی ماں کے سامنے بیٹھنے پر راضی نہ ہوتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بچپن کا ایک عرصہ میں نے میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس کے بعد بلآخر بھائی نے بڑے دل کا مظاہرہ کر کے مجھے اپنی کرسی دے دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ایک افسردہ مسکراہٹ نے میرے ہونٹوں پر بسیرا کیا تھا۔ زندگی میں میرے لیے تو اب یادیں تھیں۔ ماں کے الفاظ تھے جو ہر قدم پر مجھے یاد دلانے والے تھے میں کیا ہوں۔

کیا اب میں کھانا کھا سکوں گی؟

ماں ہوتی ہیں تو سب سہل ہوتا۔ ماں، وہ چھاؤں ہوتیں ہیں جو ہر گرم ہوا سے بچا لیتی ہیں۔

~•~~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

"حیات اگر تنگ ہو جائے تو خاموش ہو جانا چاہیے۔"

عمارہ کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ کمرے میں چند لمحے خاموشی کا راج رہا تھا۔ میں نے نظریں اٹھائیں تھیں، آنکھوں کی نمی واضح تھی، پھر میں بولی تھی۔ عرصے بعد شاید۔ میرا بسیرا میرا کمرہ تھا، نہ میں باہر نکلتی نہ کوئی اندر آتا۔ سب ایک کام کرنے والے پتلے کی مانند تھے، اپنا کام کر کے کمرے سے غائب ہو جاتے۔

"تم میری خاموشی کی وجہ جاننے کی خواہش مند ہو؟ وہ وجہ جس سے میرا وجود شناسا ہی نہیں۔ تم مجھ سے سوال کرتی ہو کہ میں کیسی ہوں؟ یہ سوال تو اکثر میں اپنے وجود سے کرتی ہوں کہ میں کیسی ہوں۔

اور جواباً ایک طویل خاموشی میری منتظر ہوتی ہے۔ اندر باہر کی یہ خاموشی مجھے ختم کر رہی ہے اور تم پھر بھی مجھ سے میرے ختم ہونے کا سوال کرتی ہو۔ میں رسوا ہوئی ہوں۔ مجھے ماما کے جانے نے رسوا کیا ہے۔ میرا اس گھر میں اس کمرے میں دم گھٹتا ہے۔ ماما کو الوداع کہنا آسان نہ تھا۔ مجھے گھر میں ہر جگہ وہ نظر آنے لگیں ہیں۔ کھانے کی ٹیبل پر مجھے ان کی کرسی پر وہ بیٹھی نظر آتی ہیں، مجھ سے باتیں کرتی ہوئی۔ اپنے کمرے میں بیڈ پر مجھے وہ نظر آتی ہیں۔ کچن میں ماہم کی جگہ مجھے ماما نظر آتی ہیں۔ عمارہ میں پاگل ہو رہی ہوں۔ زخمی ہوں۔ روح تک میری تکلیف میں ہے۔"

"تم یونی میں ایڈمیشن لے لو۔ تم خود کو مصروف کر لو۔"

"کیا مصروفیت اس غم کو راحت دے سکتی ہے؟ نہیں عمارہ، میرا غم کسی مصروفیت سے دور نہیں ہو سکتا۔ کبھی بھی نہیں۔"

"ملائکہ کمرے سے باہر نکل کر باہر کی دنیا سے خود کو روشناس تو کرواؤ۔ اپنے کزن سے باتیں کرو۔ اپنے غم کو الفاظ تو دو۔"

میں نے ناسمجھی کے عالم میں عمارہ کو دیکھا تھا۔

"کزن؟" بہت آہستگی سے لب پھڑ پھڑائے تھے۔

"تمھاری خالہ کا بیٹا۔"

"ماں کا پسندیدہ بھانجا۔۔۔

عمارہ ماں کو یہ بھانجا بہت پسند تھا۔ محبوب تھا۔ وہ اکثر اس کی شان میں قصیدے پڑھتی تھیں اور میں، مجھے یہ ذرا نہیں پسند تھا۔ اب کیسی نفرت، کیسی ناپسندیدگی جب ماں ہی نہیں۔"

عمارہ نے مجھے گلے لگایا تھا۔ یہ وہ سہارا تھا جس کی تلاش مجھے عرصے سے تھی۔

Clubb of Quality Content

کاش میرے اپنے مجھے یہ اپنائیت بھرا لمس دیتے تو میں مضبوطی محسوس کرتی۔ اس ایک سہارے کی بدولت میں بچوں کی طرح بلک بلک کر روئی تھی۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

عمارہ کی باتوں کا اثر تھا کہ میں کمرے سے باہر نکلی تھی۔ میں کمرے سے باہر نکل کر جو واحد چیز کرنے کی خواہش مند تھی وہ بابا سے بات کرنا تھا۔ ماں نہیں تھیں، بابا تو تھے نا۔ میں ان کی بھی تو جان تھی۔ اپنے ذہن میں اٹھتے ہر منفی پہلو کو نظر انداز کرتے۔ میں ان کے کمرے کے پاس کھڑی تھی۔ میں نے ناب گھمایا تھا کہ مجھے وہ نوید سنائی گئی تھی، جس نے میری روح تک کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ کیا ماں کی جدائی کافی نہ تھی۔

"زوہیب، میں نے ملائکہ کا ایڈمیشن کینیڈا کی یونیورسٹی میں کروادیا ہے۔ اخراجات زیادہ ہیں لیکن میں دیکھ لوں گا۔ وہ یہاں رہی تو مزید اثر لے گی۔"

مجھے سب سے زیادہ ضرورت اپنوں کی تھی اور مجھے نہ صرف خود سے جدا ہوجانے کی نوید سنائی گئی تھی بلکہ اپنے ملک سے جدائی کی بھی نوید سنادی گئی تھی۔

"ملائکہ اور تمھاری فلائیٹ ایک ہی ہو گی۔ اس کا خیال رکھنا۔"

اندھی کھائی میں پھینک دینے کے بعد کون سا خیال کرنا تھا میرا کسی نے؟

میں چیخنا چاہتی تھی۔ اس فیصلے کی تردید میرے دل کی خواہش تھی مگر میری زبان تالو سے چپک گئی تھی۔ شاک ایسا تھا کہ میں اپنی جگہ سے ہلنے کی صلاحیت بھی کھو رہی تھی۔ خود کو گھسیٹتے میں ڈائنگ تک آئی تھی۔ اس کی کرسی پر بیٹھتے میں نے ارد گرد نگاہ دوڑائی تھی۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں میں نے بچپن گزارا تھا ماں کے ساتھ، ماہم کے ساتھ، بھائی کے ساتھ۔ آج یہ جگہ بھی پرائی کر دی گئی تھی۔ سامنے موجود کرسیوں پر جب لوگ براجمان ہوتے تھے تو لگتا تھا بہار سمٹ کر اس ٹیبل پر آگئی ہے۔ آج وہ بہار مرجھا گئی تھی۔ ماں کے بعد میں بھی جا رہی تھی۔ گھر تنکوں کی مانند بکھر رہا تھا۔

کیا اس گھر میں اب قہقہے گونجیں گے؟

کیا کبھی بابا کو خیال آئے گا کہ وہ زندگی کے مشکل ترین موڑ پر غلط کر گئے؟

کمرے میں تھی تو وحشت نے گھیر رکھا تھا۔ کمرے سے باہر تھی تو شور نے گھیر لیا تھا۔

ایک کے بعد ایک یاد۔

سلسلہ طویل تھا، مزید طویل بھی ہوتا اگر زوہیب نہ بولتا۔

"ملائک!"

میں نے ایک نظر اس کو دیکھا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس سے میں ایک وقت تک شدید جیلس ہوتی رہی تھی اور اب سے کچھ دیر پہلے مجھے اس کے وجود سے فرق ہی نہیں پڑتا تھا اور اب، اب مجھے یہ اپنی خوشیوں کا قاتل لگا تھا۔

"مجھے کینیڈا نہیں جانا۔"

زوہیب کے چہرے پر پہلے ناسمجھی کے تاثرات ابھرے تھے، پھر مدہم مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولا تھا، "خالہ جان نے مجھ سے یہ خواہش کی تھی۔ میری فلائیٹ خالہ کی ڈیتھ سے پہلے کی بک تھی، ملائک۔ خالہ چاہتی تھیں کہ تم کینیڈا اسے پڑھو۔ وہ چاہتی تھیں کہ تم ایک کامیاب آرٹسٹ بنو۔"

ماں کا طرزِ مخاطب کوئی اور اپنالے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے اس کا اندازہ آج ہو رہا تھا۔ یہ میری زندگی کے وہ لمحات تھے جب میں آنکھیں بند کر کے ماں کے نام پر کوئی بھی کام کر سکتی تھی چاہے وہ اپنے وجود کے ایک حصے کو موت کے گھاٹ اتارنا ہی کیوں نہ ہو۔

"ملائک مت کہا کریں مجھے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی دلیل دیتا میں فوراً اگلا سوال بھی کہہ چکی تھی۔

"فلائیٹ کب کی ہے؟"

"اس ہفتے کی۔"

میں نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"کیا تم نے مزید کچھ نہیں سنا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

میں نے اس کو ایک نظر دیکھا تھا۔ مجھے اس جگہ سے اٹھنا تھا۔ میں بول کر تھک چکی تھی بلکہ میں خود سے ہی تھک چکی تھی۔ ایک ہارے ہوئے شخص کی مانند۔ میں زندگی سے ہار چکی تھی۔ میں خود سے، ماں سے اور خود سے منسلک ہر شخص سے ہار چکی تھی۔

"نہیں!"

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

میری پیکنگ ماہم نے کی تھی۔ تین دن میں، اس نے کیا کیا رکھا تھا میرے بیگ میں مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں خاموش تماشائی تھی۔

Clubb of Quality Content!

جمعرات کی رات میرے کمرے میں بابا آئے تھے۔ اس دفعہ ان کے آنے نے بھی خوشی نہیں دی تھی۔ میرے پاس بیٹھے تھے، اسی مقام پر جہاں ماں بیٹھتی تھیں۔ مجھے گلے لگایا تھا۔ میں رونا نہیں چاہتی تھی لیکن میں روئی تھی۔ میں ان سے کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی کہ میں مر رہی ہوں، لیکن میں مر رہی تھی۔

"ملائکہ، تمہیں تمہاری ماں کی خواہش بتانے آیا ہوں۔"

"مجھے پتہ ہے آپ مجھے کینیڈا بھیج رہے ہیں۔"زکام زدہ آواز میں میں فقط اتنا ہی بولی تھی۔

"میں کچھ اور بھی بتانے آیا ہوں۔"

"کیا؟"

میری سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہوئی تھی، مزید ایک نیا دھچکا۔اب کون سا صور پھونکا جانا تھا۔

"وہ چاہتی تھی کہ تمہارا اور زوہیب کا نکاح کر دیا جائے۔وہ زوہیب سے فی الوقت تمہاری منگنی کرنا چاہتی تھی مگر میں نکاح کرنا چاہتا ہوں تمہارا۔"

سانس لینا مجھے مشکل لگا تھا، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سانس سینے میں اٹک گئی ہو۔الفاظ دم توڑ گئے تھے۔احتجاج کرنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔

"کب۔۔۔کر۔۔۔رہے۔۔۔ہیں۔۔۔میرا۔۔۔نکاح؟"

"کل نمازِ جمعہ کے بعد۔"

میں نے ایک خاموش نگاہ بابا پر ڈالی تھی۔ رُوئی مُو ترم آنکھیں۔ چند دن میں وہ بوڑھے لگنے لگے تھے۔ ان کے سامنے احتجاج کرنا ان کو مزید بوڑھا کرنے کے مترادف تھا۔ میں مشرقی لڑکی تھی اور اس لمحے مجھے احساس ہوا تھا کہ مشرقی لڑکی ہونا میری کمزوری بن گیا تھا۔ انکار کرنے کی خواہش کے باوجود، انکار نہ کرنا۔ یہ پاؤں میں ان دیکھی زنجیروں کی بدولت تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

انہوں نے پھر مجھے گلے لگایا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا۔"

معافی کی اب ضرورت تھی ہی نہیں کیونکہ موت کی نوید سنا دی گئی تھی۔ میں اس موت سے فرار کا آخری حل جانتی تھی اور میں نے وہی کرنا تھا۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گیلری سے گزرتے میرا سامنا زوہیب سے ہوا تھا۔ میں نے رک کر اس کو مخاطب کیا تھا۔ رات کے دس بجے میں اسی کی تلاش میں کمرے سے باہر نکلی تھی۔

"کیا ہم کچھ بات کر سکتے ہیں؟"

"کہو۔"

"اوپر چل کر صحن میں بات کرتے ہیں۔"

اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ میں آگے تھی، وہ مجھ سے پیچھے چل رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا زندگی میں وہ مجھے ہمیشہ اسی انداز سے اول رکھے گا۔

صحن کی کھلی فضا میں بھی مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ میں جن جملوں کی مشق آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بارہا کر چکی تھی، اب وہ جملے زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔

"میرا اور آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا۔"

میں رکی تھی شاید وہ کچھ بولے۔

"ایک مسلمان مرد کا نکاح مشرک عورت سے نہیں ہو سکتا۔"

میں پھر رکی تھی شاید وہ کچھ بول دے۔

"میں رب سے انکاری ہو گئی ہوں۔"

دو قطرے میری آنکھوں سے گرے تھے۔

چند لمحات سرکے تھے۔ میں منتظر تھی کہ وہ تیش میں آ کر انکار کر دے گا۔

"آپ رب سے انکاری ہوتیں تو یہ آنسو نہ گرتے۔ آپ رب سے ناراض ہیں۔"

میں دم سادھے اسے سن رہی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جو مجھے 'تم' کہہ رہا تھا، اب یہ 'آپ' کا مسافر بن چکا تھا، یعنی کچھ بدل گیا تھا۔

"جب ہم انسانوں سے ناراض ہوتے ہیں تو ہم اس تعلق سے انکار کر دیتے ہیں۔ تم بھی وہی کر رہی ہو۔"

واپس 'تم' کہا گیا تھا۔

"تم اس تعلق کو بیٹھ کر سوچو۔ اس بات کو بھول کر سوچو کہ تمہاری ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔ ملائک جب اپنوں سے ناراض ہو اجاتا ہے تو وہ لازماً مناتے ہیں۔ رب سے اپنا بھلا کوئی ہو سکتا ہے؟ تم دیکھو اس نے کب تمہیں منانے کی کوشش کی۔ تم سوچو کہ کب اس نے فقط تمہیں سنا۔"

"اس نے مجھے نہیں سنا۔ اس نے ماں کو چھین لیا۔ میری ماں تھیں وہ۔ ماں کے بعد میرے اپنے بھی وہ مجھ سے لے رہا ہے۔"

"میں نے کہا تھا کہ تم مشرک نہیں ہوئی۔ تمہیں اس کے وجود پر یقین ہے۔ ملائک، وہ بڑے ظرف والا ہے۔ کچھ لیتا ہے تو بڑھا کر واپس کرتا ہے۔ تم صرف اس پر دھیان دے رہی ہو جو لیا گیا ہے۔ اس پر دھیان دو جو لے کر عطا کیا گیا ہے۔"

"مجھے کیا عطا کیا گیا ہے؟ میں فقط دے ہی رہی ہوں، اپنے تعلقات سے دستبردار ہو رہی ہوں۔"

"آج کی رات بیٹھ کر سوچو کیا عطا کیا جا رہا ہے۔ نماز پڑھو، ہاتھ اٹھاؤ، پوچھو اس سے کہ تمہیں کیا مل رہا ہے سب کھو کر۔ ملائک میں اپنی زندگی میں دو اہم رشتے کھو کر آیا ہوں۔ مجھ سے پہلے وہ دو رشتے لیے گئے، پھر خالہ جان لی گئیں ہیں، لیکن مجھے ایک نیا تعلق دیا جا رہا ہے۔ مجھے تین کے بدلے ایک تعلق دیا جا رہا ہے۔"

زوہیب یہ کہتے جا چکا تھا۔ میں چلتی ہوئی گرل تک آئی تھی۔ یہاں سے ہمارے گھر کی پچھلی طرف بنا گھر نظر آتا تھا۔ اس گھر میں لگے درخت نظر آتے تھے مگر رات کے اندھیرے میں سب چھپ چکا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے زوہیب کے الفاظ سنتے سب غیر واضح ہو گیا تھا۔

مجھے کیا عطا کیا جا رہا تھا؟ میں نے بند آنکھوں سے سوچنے کی کوشش کی تھی۔ بند آنکھوں کے سامنے منظر لہرایا تھا۔

مسکراتی ملائکہ ماں سے مخاطب تھی۔

"ماں، کینیڈا میں پڑھنا میرا خواب ہے۔ آنی نے کہا ہے کہ وہ مجھے کینیڈا بلائیں گی۔"

"ملائک، ماں کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

"لیں ماں، کون سا ہمیشہ کے لیے جاؤں گی؟ واپس اپنی ماں جانی کے پاس ہی آؤ گی نا؟"

یہ کہتے میں نے ان کو گلے لگایا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا یہ خواہش مجھ سے کیا چھیننے والی تھی۔ بند آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔

"ملائکہ، تمہاری دو سال کی محنت اسی چیز کے لیے تھی نا؟ دیکھو، دو سال بعد وہ خواہش مکمل ہو رہی ہے، مگر کیا اب یہ خواہش زندہ ہے؟"

ماں کو گئے کتنے دن ہو گئے، تمہارے لیے تو یہ گنتی بھی مشکل ہے۔ تمہارا نکاح ہونے والا ہے، تمہارے لیے تو یہ بات قبول کرنا بھی مشکل ہے۔

زوہیب نے تین تعلقات کو مکمل طور پر کھو دیا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے پا رہا تھا۔ ایک ایسی لڑکی جس کا امید سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایسی لڑکی جو 'مشرک' کہتی تھی خود کو، پھر بھی وہ مجھے 'نعمت' کہہ گیا۔

میں ایک تعلق کو مکمل طور پر کھو چکی ہوں اور تین تعلقات کو عارضی طور پر چھوڑ کر بھی اس کو نعمت نہیں کہہ سکتی، بھلا کیوں؟

وہ کس بناء پر مجھے نعمت کے رتبے پر فائز کر گیا اور میں کس بناء پر اس کو زحمت کہنا چاہتی ہوں؟

سوالات بے شمار تھے مگر جواب ایک کا بھی نہیں۔

کیا میں حقیقتاً مشرک نہیں ہوں؟

"اللہ مجھے نہیں معلوم میں مشرک ہوں کہ نہیں۔ اگر آپ مجھ میں ایمان دیکھتے ہیں تو میرے لیے دینِ حق کو چن لیں۔ مجھ پر اپنی قدرت سے رحمت کے دروازے کھول دیں۔"

ایک مہینے کے بعد میں رب کو پکار رہی تھی۔ رب بھی وہ جو پکارنے والے کی پکار سنتا ہے۔

کانوں میں آواز گونج رہی تھی۔

"ملائک، وقت پر نماز پڑھا کرو۔"

یہ ماں کی آواز تھی۔ ماں مر چکی تھیں مگر ان کی آواز زندہ تھی۔ گھنے درختوں کے سامنے سے ہٹ کر میں کمرے کی جانب بڑھی تھی۔ کہیں اندر سے آواز اٹھی تھی۔

"اسی کے آگے جھکو گی جس نے تمہیں نہیں سنا تھا؟"

واپسی کی راہ پر شیطان نہ ہو، کیا یہ ممکن ہے؟

" پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔"(القرآن)

آنکھوں کے سامنے منظر لہرایا تھا۔

"ملائک، نماز کا وقت نکل جائے گا۔"

"ماں، نماز پڑھنا مشکل لگ رہا ہے۔"

آج عذر تبدیل تھا۔ میں کہنا چاہتی تھی ماں، پلٹنا مشکل لگ رہا ہے۔

"تعوذ پڑھو۔"

"ماں"

"چلو شاباش، میرے پیچھے دہراؤ۔"

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

آج پھر ماں کے پیچھے وہ الفاظ دہرائی جا رہی تھی۔ وہ الفاظ جو خاموش کر دیتے ہیں شیطان کی آوازوں کو۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

ایک مہینے بعد کی نماز میں کتنی سوچیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں، میں نہیں بتا سکتی۔ میری وہ نماز تب میرے لیے میری ہار کا پروانہ تھی۔ میں نے اللہ کے سامنے اپنی یار قبول کر لی تھی۔

اگلی صبح میرے سامنے زوہیب موجود تھا۔

"تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟"

میں نے ایک نظر اس کو دیکھنے کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ میں زندگی میں پہلی دفعہ خود کو حالات کے سپرد کر رہی تھی۔

کل رات وہ ایک لمحہ تھا جس نے مجھے خدا سے راضی تو نہ کیا تھا مگر ناراضگی بھی ختم کر گیا تھا۔

آج میں خدا کو الرحمٰن محسوس نہیں کر رہی تھی مگر میں اس کو جابر بھی نہیں مان رہی تھی۔

ابھی کے لیے بس وہ الحکیم تھا۔

~•~~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب چہارم

خالہ جان کی بیٹی میرے سامنے موجود تھی، وہ کہہ رہی تھی کہ وہ مشرک ہو گئی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرا اور اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس کے الفاظ سن کر حیرت نہیں ہوئی، جھٹکا نہیں لگا کیونکہ مجھے کہیں سے لگا ہی نہیں وہ ملائکہ ہے۔ وہ وجود مجھے اپنا آپ لگا۔

وہ الفاظ جو ملائک کے کانوں تک کا سفر کر کے گئے تھے وہ میرے الفاظ نہیں تھے، وہ ماں جی کے الفاظ تھے۔ وہ کہتی تھیں کہ میں ناراض ہوں اور میں ناراض ہی تھی۔ آج ملائک بھی وہی کر رہی تھی۔ مجھے پہلے یقین تھا کہ ملائکہ کے لیے ہیلنگ کی راہ غلط چنی گئی ہے اور آج اس کے الفاظ میری بات کی تصدیق تھے۔ وہ جس ذہنی حالت میں تھی اس میں نیا تعلق اس کے لیے قبول کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ ہمارے اپنے زیادتی کر جاتے ہیں، نہ چاہتے ہوئے خالو یہی کر رہے تھے۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

میں اس کے پاس سے ہو کر آرہا ہوں، وہ تیار ہے۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہے، انسیت ہے۔ خالہ جان اس کا بے انتہا ذکر کرتی تھیں۔ وہ خالہ کو عزیز تھی۔ خالہ کے قرض میرے وجود پر اس طرح نصب تھے کہ میں ان کو چاہ کر بھی نہیں اتار سکتا تھا۔ ان کی بیٹی اگر دنیا کی بد ترین عورت ہوتی تو یقیناً میں تب بھی راضی ہوتا اور یہاں پر وجود بھی وہ تھا جس کے اندر

مجھے اپنا عکس محسوس ہوتا تھا۔ اپنے وجود کو بھلا کوئی زندگی کی ذلت میں گم ہونے دے سکتا ہے؟

~•~

نمازِ جمعہ ادا ہو چکی تھی۔ کچھ دیر میں نکاح ہونا تھا۔ مجھے اس لمحے احساس ہو رہا تھا کہ میں دنیا کا وہ شخص ہوں جس کو نکاح کے بعد اپنی منکوحہ کو زندگی کی طرف واپس لانا ہے۔ ایک ایسے شخص کو مجھے سہارا دینا ہے جس کی کشتی ڈگمگا رہی ہے، ڈوبنے کے قریب تر۔ میں نے کسی کے الفاظ سنے تھے کہ شادی کے بعد اکثر پارٹنرز ایک دوسرے کو ہیل کرتے ہوئے ایک عرصہ گزار دیتے ہیں۔ میری زندگی بھی اسی ڈگر پر چل پڑی تھی۔ وہ دو الفاظ تین دفعہ دہرائے تھے میں نے۔ ان تین الفاظ نے مجھ پر زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری ڈالی تھی۔ یہ عہد مجھ سے ملائک کے والد یا بھائی نے نہیں لیا تھا، مگر یہ عہد میں خود سے لے چکا تھا کہ ملائک کو زندگی کی طرف میں نے لانا ہے۔ اس کی ڈگمگاتی کشتی کو بحفاظت کنارے پر

اتارنے والا کوئی ہو گا تو وہ میں ہوں۔ آج سے اس کی کشتی کی ناؤ میرے ہاتھ میں تھی۔ یہ ایک محافظ کا، ایک قوام کا، ایک حاکم کا عہد تھا۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

نکاح کے بعد واپسی کے راستے پر میں اور ملائک ایک ہی گاڑی میں تھے۔ ایک طویل خاموشی۔

"میرا ایڈ میشن کس یونیورسٹی میں ہوا ہے؟"

"University of Ottawa"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اس جگہ سے آپ کا گھر کتنے فاصلے پر ہے؟"

"بیس سے پچیس منٹ۔"

خاموشی سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

نکاح کے بعد شاید ہی کسی کی پہلی گفتگو اپنے شریکِ حیات سے اس قسم کی ہوئی ہو گی۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

گھر میں داخل ہونے کے بعد میں گیسٹ روم میں گیا تھا۔ مجھے اپنا سامان پیک کرنا تھا۔ کینیڈا میں ایک مہینے کی چھٹی مجھے خاصی بھاری پڑنی تھی۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میرے سلجھے ہوئے کام بھی الجھ چکے ہوں گے، کچھ الجھنیں میں اپنے ساتھ اپنی مرضی سے لے کر جا رہا تھا، اس امید کے ساتھ کہ اگر وہ سلجھ گئیں تو ہر الجھن سلجھ جائے گی۔

مجھے کینیڈا کال کرنی تھی، وہاں کے حالات کا پتہ لینا تھا۔ ایک مصروف زندگی میری منتظر تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک تھکا دینے والا وقت!

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

باب پنجم

نکاح میرا تھا اور سب سے بے تاثر میں تھی۔ سفید گھٹنوں سے کچھ اوپر آتی فراک کے ساتھ سفید شرارہ پہنا تھا میں نے۔ اس پر گولڈن کام تھا۔ نکاح کے لمحات میں ماں شدت سے یاد آئیں تھیں۔ وہ ہوتیں تو کون تھا جو ملائکہ کا اس عمر میں نکاح کرواتا۔ آنکھیں بند کر کے پہلی دفعہ میں نے خود کو موت کی نوید سنائی تھی۔

"قبول ہے!"

دو الفاظ تین دفعہ دُہرانا اپنی جان لینے کے مترادف تھا۔ مجھے زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا تھا میں نے سفید لباس نہیں کفن پہن رکھا ہے۔ اگر آج کوئی مجھ سے پوچھتا میری خواہش کیا ہے تو میں کہتی مجھے مٹی تلے سلا دو۔ یہ زندگی دنیا والوں نے تنگ کر دی ہے۔ میرا نکاح مسجد میں کیا گیا تھا، واپسی کا سفر مجھے زوہیب کے ساتھ گزارنا تھا۔ زندگی کسی موڑ پر سَہل نہیں تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ مجھ سے کل کے متعلق کوئی سوال پوچھے۔ آج کی ہاں کے پیچھے کی وجہ پوچھے۔ سوالات سے بچنے کے لیے میں نے اپنی زندگی کا انتہائی نامناسب

سوال نامناسب وقت پر کیا تھا۔ سوال کا جواب سن کر مجھے اپنی خواہش اور کسی کے الفاظ یاد آئے تھے۔

کچھ لیا جاتا ہے تو کچھ عطا لازماً کیا جاتا ہے۔

لیکن مجھ سے جو لیا گیا تھا اس کے بعد کوئی چیز اس تکلیف کا ازالہ نہیں کر سکتی تھی۔

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر میں نے اجازت دی تھی آنسوؤں کو بہنے کی۔ یہ زندگی کا مشکل دور تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

میں گھر واپس آ کر اپنے کمرے کی مسافر بن چکی تھی۔ مجھے آگے کی زندگی وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔ کیا یہ تھی وہ زندگی جس کی میں نے خواہش کی تھی؟

نہیں۔

انسان چاہتا کچھ ہے اور پاتا کچھ ہے۔ نہ ختم ہونے والی خواہشات کا نتیجہ شاید اتنا ہی بَد تر ہوتا ہے۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

رات میں ماہم نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ وہ چند لمحات میرے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔

آخری چند لمحات۔

"ملائکہ، ماں کتنی خوش ہوتیں یہ سن کر کہ تم کینیڈا جا رہی ہو۔"

"وہ بالکل خوش نہ ہوتیں یہ سن کر کہ میرا انیس سال کی عمر میں نکاح ہو چکا ہے جبکہ میری بڑی بہن اور بھائی کی ابھی تک منگنی بھی نہیں ہوئی۔"

"ملائکہ، حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"ماہم، حالات تو تمہارے اور بھائی کے لیے بھی وہی ہیں۔ مسئلہ حالات کا نہیں تھا، مسئلہ میری کم عمری کا تھا۔ میں ماں کے جانے کا صدمہ برداشت کرنے کی کوشش کر رہی

تھی اور تم لوگ اس صدمے سے نکل آئے تھے۔ اگر میں اس صدمے سے نکل آتی تو تم لوگ کبھی میرا نکاح نہ کرتے۔ میرے لیے ہیلنگ کا ایک غلط راستہ چنا گیا ہے۔ کبھی سوچا ہے اگر میں زوہیب کو قبول نہ کر سکی پھر؟

یا میرے رویے سے وہ مجھ سے بد ظن ہو گیا پھر؟

یا وہ میرے حق میں اچھا نہ ہوا پھر؟"

"ملائکہ، رب مہربان ہے۔"

"یقیناً ہو گا، مگر تم لوگ نہیں ہو۔ میرے لیے سَہل ہوتا تو میں تم سب کو چھوڑ کر بھاگ جاتی۔ بتی بجھادو۔ میری کل فلائیٹ ہے۔" ایک طنزیہ مسکراہٹ نے میرے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

یہ پہلی بار تھا کہ ماہم کے ساتھ میں نے اس انداز سے بات کی تھی۔ چند واقعات دل سے نرمی ختم کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

میں کسی کے گلے لگ کر نہیں روئی تھی۔ یہ وہ گھر اور وہ لوگ تھے جن سے بے لوث محبت میں نے کی تھی اور بے لوث محبت میرے حصے میں آئی تھی لیکن ہر محبت ایک وقت پر قیمت مانگتی ہے، آج اس محبت نے بھی مجھ سے قیمت مانگی تھی،خاصی بھاری قیمت۔ میری زندگی کی قیمت۔

فلائیٹ رات کی تھی۔ اسلام آباد ایئر پورٹ پر بیٹھ کر کیا جانے والا انتظار میری زندگی کا کٹھن انتظار تھا۔ میرے سامنے بیٹھے زوہیب لیپ ٹاپ پر مصروف تھے۔ طویل خاموشی۔ مجھے اس خاموشی کو محسوس کرتے اندازہ ہو رہا تھا کہ یقیناً ہماری آگے کی زندگی اسی خاموشی کی نظر ہو گی۔ اسلام آباد ایئر پورٹ پر بیٹھ کر ایک مہینے بعد میں نے پہلی دفعہ اس معاملے میں ماں کو نہیں گھسیٹا تھا۔

"تم نے کچھ کھانا ہے؟ ابھی کی فلائیٹ تین سے چار گھنٹے کی ہے۔ ابو ظہبی میں تقریباً پانچ گھنٹے کاسٹے ہے،اس کے بعد کی فلائیٹ ابو ظہبی سے ٹورانٹو تک کی ہے،وہ تقریباً چودہ گھنٹے

کی فلائیٹ ہے، پھر ہماری آخری فلائیٹ ٹورانٹو سے اوٹاوا تک کی ہے جو ایک گھنٹے کی ہے۔ڈائیریکٹ فلائیٹ مجھے بہت لیٹ مل رہی تھی۔ میرا جلدی جانا ضروری ہے۔"

جتنے عام سے انداز سے زوہیب نے اگلے دو دن کا نقشہ کھینچا تھا، اتنے ہی حیرانگی کے عالم میں 'میں نے اس کو دیکھا تھا۔ میں یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ یہ میری زندگی کا پہلا ہوائی سفر ہے اور اب میں یہ بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ یہ میری زندگی کا پہلا اتنا طویل سفر ہے۔ دو دن کے مسلسل سفر سے اس نے کون سا جلدی پہنچنا تھا تب بھی لیٹ کی ہوتا یہ، خیر تھکا دینے والی کنیکٹنگ فلائٹس میری منتظر تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

" کھانا کھاؤ گی؟"سوال واپس دہرایا گیا تھا۔

"اتنے طویل سفر کا ذکر کر کے کھانے کا پوچھتے اچھے نہیں لگ رہے۔"میں اپنے جمود سے آزاد نہیں ہوئی تھی لیکن طویل سفر کا سوچ کر میری حساسیت جاگ گئی تھی۔ ایک نظر میں نے خود پر ڈالی تھی۔ دو دن کے مسلسل سفر کے مطابق میرے کپڑے ٹھیک تھے، گھٹنوں

تک آتی گول دامن کی شرٹ اور نیچے کھلا ٹروزر۔ عرصے بعد میں ماہم کی شکر گزار ہو رہی تھی کہ یہ کپڑے اسی نے رکھے تھے۔

زوہیب ہاتھ میں کپ کیکس لیے واپس آئے تھے۔ اپنے الفاظ یاد کر کے انا سے مجبور ہو کر، میں نے کیک کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ میں منتظر تھی کہ وہ اصرار کرے گا اور میں کچھ دیر تک انکار کے بعد کھا لوں گی۔ انا کو کہاں گوارا تھا فوراً ہاں کہنا۔

وہ کپ کیکس لیے میرے سامنے بیٹھا تھا۔ ایک کپ کیک میری طرف سرکاتے نرمی سے گویا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

" کھا لو، ملائک"

دل پر پتھر رکھتے میں نے سر دائیں سے بائیں ہلایا تھا۔

"چلو جیسے تمھاری مرضی۔"

یہ کہتے وہ واپس لیپ ٹاپ پر جھک چکا تھا۔ ہتک کے احساس نے مجھے گھیر لیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو جمع ہونے لگے تھے، کیا تھا جو وہ پھر اصرار کر لیتا۔ میں نے سر ٹیبل کے کنارے پر ٹکا دیا تھا۔ اب اگر زوہیب مجھے دیکھتا تو میں اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی ہیڈ ڈاؤن کیے ہوئے تھی۔ وہ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ چہرہ جو آنسوؤں سے نم ہو چکا تھا۔ شکوے جاگ رہے تھے۔ ماں سے شکوہ، بابا سے شکوہ، ماہم سے شکوہ، زبیر سے شکوہ اور سب سے آخر میں زوہیب سے شکوہ۔ کیا تھا جو وہ اصرار کر لیتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ملائک، اٹھو بورڈنگ کروانے چلنا ہے۔"

زندگی میں آنسو ہی تھے اور میں یہ آنسو بھی چھپانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ سر اٹھاتی تو بھی سوال کیے جاتے اور اگر نہ اٹھاتی تو بھی سوال کیے جاتے۔

"ملائک، مجھے سن رہی ہو۔"

بہت آہستگی سے میں نے سر اٹھایا تھا۔ کاش کہ کچھ پردہ رکھ لیا جائے۔

"یعنی سننے کے بعد اگنور کر رہی ہو۔"

مسکراتا لہجہ تھا۔ اگر مسکراتے لہجے رلا سکتے ہیں تو مجھے اس مسکراتی آواز نے رلایا تھا۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

باب ششم

فلائیٹ کی تفصیل ملائک کو دینے کے بعد میں کپ کیکس لینے گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ انکار کرے گی اور اس نے وہی کیا تھا۔ آج اس نے پہلی دفعہ طنزیہ لہجہ اختیار کیا تھا اور مجھے پہلی دفعہ کسی کا طنز کرنا بھلا لگا تھا۔ میں کام میں مصروف تھا کہ بورڈنگ کا اعلان ہوا۔ میں نے لیپ ٹاپ بند کرتے دو دفعہ ملائکہ کو آواز دی تھی جو اس نے سرے سے نظر انداز کی تھی اور جب اس نے سر اٹھایا تھا تو میں ششدر رہ گیا تھا، وہ رو رہی تھی۔

وہ پورے دو گھنٹے میں اب روئی تھی، بھلا کیوں؟

"ملائک، کیا ہوا ہے؟" آنکھوں میں ٹھہرے آنسو باہر کی راہ لے چکے تھے۔

"تم راستے میں رونے کا شغل پورا کرنا، میں پلین میں بیٹھ کر تم سے وجہ پوچھوں گا اور یہاں رونا عام ہے کیونکہ اکثر تمھاری عمر کی طالبات ہی یہاں سے روتے ہوئے بیرونِ ملک جاتی ہیں تو آرام سے رو سکتی ہو۔"

وہ حقیقتاً بورڈنگ ہو جانے تک روتی رہی تھی۔ جب ہم پلین میں سوار ہو چکے تو میں نے اس سے سوال کیا تھا۔ مجھے علم تھا کہ جواب اب بھی نہیں ملے گا۔

"کیا اب وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی اپنا ملک چھوڑنا آسان تھوڑی ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جھوٹ!"

اس کے چہرے پر لکھا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

پلین کی لائٹس آف ہو گئیں تھیں، رات کے اندھیرے میں جہاز نے پرواز بھری تھی۔

ملائک کھڑکی کی جانب بیٹھی تھی اور میں اس کے ساتھ۔ رات کے وقت باہر کا منظر انتہائی

خوفناک لگ رہا تھا۔ جہاز نے اڑان بھری تھی اور میں نے اپنے ہاتھ کو زور سے پکڑا جانا محسوس کیا تھا۔

پہلا تجربہ جہاز کا ایسا ہی ہوتا ہے، خوفزدہ کر دینے والا۔

ساڑھے تین گھنٹے کی فلائیٹ میں سونا بے کار تھا۔ ایک نظر ملائک کو دیکھا تھا جو آنکھیں بند کیے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا تھا۔ ایک مہینے کا کام چند دن میں مکمل کرنا تھا۔ ایک کٹھن امر!

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب ہفتم

جہاز ابو ظہبی ائیر پورٹ پر لینڈ ہوا تھا۔ جہاز سے اترتے ہی ہم نے کارگو کا انتظار کیا۔ ابو ظہبی ائیر پورٹ بہت سی فلائیٹس کو کونیکٹ کرتا ہے اس لیے یہ کافی بڑا ائیر پورٹ ہے۔ جہاز سے

اترنے کے بعد ائیر پورٹ تک جانے کے لیے کارگو کا استعمال ہوتا ہے۔ کارگو سے اترنے کے بعد ائیر پورٹ پر چلنے کا بھی ایک طویل راستہ ہے مگر اس سے پہلے آپ کو ایک مشین کے سامنے اپنے سامان کی تفصیل دینی ہوتی ہے جس کے بدلے میں آپ کو ٹوکن ملتا ہے، اس ٹوکن کا آگے استعمال ہوتا ہے۔ ابو ظہبی ائیر پورٹ پر بوڑھوں کے لیے ایک چھوٹی بس چلتی ہے جو ان کو ائیر پورٹ کے اندر سہولت فراہم کرتی ہے۔

میں یہاں پہلی دفعہ آئی تھی، یہ جگہ نئی تھی اور اس نئی جگہ پر بہت کچھ میرے لیے انتہائی عجیب تھا۔ ابو ظہبی ائیر پورٹ پر تقریباً ہر کرنسی چلتی تھی سوائے پاکستانی کے۔ آپ اگر انڈین کرنسی دے رہے ہیں تو وہ آپ کو درہم میں بقیہ رقم ادا کریں گے۔ زوہیب نے کینیڈین ڈالرز دیے تھے اور بقیہ رقم درہم میں اس کو واپس ملی تھی۔

ائیر پورٹ پر کھانا نہیں کھایا جاتا بلکہ ضرورت پوری کی جاتی ہے، اس کا اندازہ مجھے تب ہوا تھا۔ اگلی فلائیٹ کا وقت ہو چکا تھا۔ پاکستان سے ابو ظہبی تک کا سفر ہم نے بزنس کلاس میں کیا تھا اور تب میری سوچ تھی کہ کینیڈین ڈالرز پاکستانی روپے میں تبدیل ہوتے ہیں تو

اتنی عیاشی بنتی ہے۔ اب کی بار واپس بزنس کلاس کا سفر مجھے حیران کر گیا تھا۔ حیرت سے زیادہ مجھے تشویش میں مبتلا کر گیا تھا۔

چودہ گھنٹے کی فلائیٹ میں مجھے سونا تھا۔ میں اپنے ساتھ سلیپنگ پلز گھر سے لائی تھی۔ ماں کی موت کے بعد یہ واحد چیز تھی جس کی ضرورت روزرات کو مجھے پڑتی تھی۔ زوہیب اپنے کام میں مصروف تھے۔ ایک نظر ان کو دیکھنے کے بعد میں نے پلز نگلی تھیں۔ بہت آہستگی سے میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ نیند کی دیوی گولیوں کے ذریعے ہی سہی مگر مجھ پر مہربان ہو چکی تھی۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

ماں سامنے کھڑی تھیں۔ میں ماں کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"ماں زندگی آپ کے بغیر بہت کٹھن ہے۔۔"

میں تیزی سے ان کے جانب بڑھ رہی تھی، کہیں وہ مجھ سے دور نہ کر دی جائیں۔ کہیں پھر سب دہرایا نہ جائے۔

"ماں کدھر چلی گئیں تھیں؟"

"ماں بولتی کیوں نہیں ہیں؟"

سفید کپڑے پہنا وجود مسکرایا تھا۔ مسکراہٹ کے ساتھ وہ دور جا رہا تھا۔ میں نے ان کی جانب دوڑ لگائی تھی۔ میرے بھاگنے میں شدت آ گئی تھی۔ ماں کھو نہ جائیں۔ ماں ایک دم غائب ہو گئی تھیں۔ ماں غائب ہوئی تھیں اور تیز روشنی کا مجھے سامنا کرنا پڑا تھا۔ روشنی دیکھتے ہی دیکھتے آندھی میں تبدیل ہوئی تھی، کالے سیاہ بادل چھانے لگے تھے۔ ماں کا چلے جانا اور بادلوں کا چھا جانا مجھ پر خوف طاری کر رہا تھا۔ اسی لمحے کوئی چیز میری جانب آئی تھی۔ ماں کا دم توڑتا وجود نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ماں!"

پسینے کے ننھے قطرے میرے چہرے پر موجود تھے۔ سانس تنگ ہونے لگا تھا۔

"ماں کدھر چلی گئیں؟" بدحواسی کا سا عالم تھا۔ کسی کی پکار پر میری آنکھ یکدم کھلی تھی۔

"ملائک!" چہرہ شناسا تھا۔ یہ کون تھا؟ ذہن کے پردے پر ماں کے جانے کے بعد کا منظر چلنے لگا تھا۔ ایک حقیقت سامنے تھی۔

"ماں کو مرتے دیکھا تھا میں نے۔ ماں خواب میں آتی ہیں اور مجھ سے دور جاتی دکھائی دیتی ہیں۔

تم اللہ کا ذکر کرتے ہو؟ میں نے بھی کیا تھا، بہت شدت سے بلایا تھا۔ وہ سنتا ہو گا، میری نہیں سنی تھی۔ میں دروازے میں کھڑی رہ گئی اور ماں کا وجود مجھے دیکھتے بے جان ہو گیا تھا۔ میرا وجود کپکپایا بھی نہیں تھا تب، میں ساکت تھی یہ سوچ کر کہ میری نہیں سنی گئی۔ میرا غم ماں کا جانا نہیں ہے، میرا غم نہ سنے جانا ہے۔ دلاسے تو بہت سے لوگوں نے دیے تھے مگر کسی نے مجھ سے کب پوچھا کہ میں کیسی ہوں؟ مجھ پر گزرے حالات کیا تھے؟"

"ملائک، تم پر گزرے حالات کیا تھے؟ کان بن سکتا ہوں تمھارے لیے میں۔"

"مجھے ماں کی بیماری کے بارے میں لاعلم رکھا گیا تھا زوہیب۔ میں لاعلم تھی۔ معلوم ہے چھوٹے ہونے کا نقصان کیا ہوتا ہے؟ گھر والے آپ کو بڑا ہونے نہیں دیتے اور حالات

ہمیں چھوٹا رہنے نہیں دیتے۔ ماں کی موت سے چند گھنٹے پہلے مجھے علم ہوا تھا کہ میری ماں کو کینسر ہے اور کینسر بھی آخری اسٹیج کا ہے۔ میں نے ماں کو اپنے سامنے گرتے دیکھا تھا اور تب مجھے پہلی دفعہ یہ آگاہی ملی تھی کہ میرے ساتھ ظلم کی جو حد پار ہوئی ہے وہ اس خیال سے ہوئی ہے کہ میں چھوٹی ہوں۔ اس چھوٹی نے اپنے حق میں جب ماہم سے بات کی تو اس کے پاس دلیل نہیں تھی، حجت نہیں تھی۔ بس کہنے کو یہ تھا کہ تم سہہ نہ سکتی۔ وہ جھٹکا تب بھی تو سہہ لیا تھا میں نے۔ ماہم سے بات کرنے کے بعد میں وہاں سے اٹھی تھی۔ اس روح کو جما دینے والی سرد راہداری سے ماں کی آواز نے نکالا تھا مجھے۔

معلوم ہے ماں کی آواز کیا تھی زوہیب؟

مشکل میں رجوع الی اللہ کیا جاتا ہے۔

میں نے مان لیا، میں نے یقین کر لیا۔

میرے اندر باہر تو سناٹا تھا ہی، تب میرا دماغ بھی خاموش ہو چکا تھا، طوفان تباہی مچا کر سناٹا چھوڑ چکا تھا۔ مجھے کہیں دور سے پھر ماں کی آواز آئی تھی۔

"جب کوئی نہیں ہوتا تو اللہ ہوتا ہے۔ جب سب چھوڑ دیتے ہیں تو وہ تھام لیتا ہے، آسمان میں پرندوں کو دیکھ لو۔ ان کو بھی تو اسی نے تھاما ہوا ہے نا۔"

روتی ہوئی ماہم کے لیے ایک لفظ نہیں کہا تھا میں نے۔ آنسو نعمت ہوتے ہیں، اس کو مل گئی تھی وہ نعمت، مجھے نہیں ملی تھی۔ مجھے اپنے لیے خود کوشش کرنی تھی۔ میں نے ہسپتال کے ساتھ موجود چھوٹی سی مسجد میں قدم رکھا تھا۔ زوہیب میں نے خود کی ہار میں رب کو پانے کی کوشش کی تھی۔ میرے اندر سے آواز آئی تھی،

'زندگی کے کسی موڑ پر رب یاد آیا ہے؟ نہیں نا؟ تو مڑ جاؤ، وہ اسی کا ہوتا ہے جو اس کے ہوتے ہیں۔ باقی سب کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔'

میں نے اگلا قدم نہیں رکھا تھا، کیسے رکھتی۔ مجھے شیطان کی آواز اپنا ضمیر لگا تھا۔ اسی پل کہیں سے عمارہ کی آواز گونجی تھی،

'جو اس کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے اللہ اس کی طرف دس قدم بڑھاتا ہے۔ وہ بندوں کو ویلکم کرتا ہے۔'

میں نے عورتوں کے حصے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ من من بھاری قدم تھے وہ۔ آواز دوبارہ گونجی تھی،

'گناہوں کی پوٹلیاں بھی مسجد میں آیا کریں گی۔'

نہ عمارہ خاموش ہورہی تھی، نہ اندر کی آواز۔

اللہ گناہ گار لوگوں کے لوٹ آنے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہے جو گناہوں کی بخشش مانگے۔ مانگنا نہیں چھوڑنا ملائکہ۔

میں نے وضو کیا تھا۔ وضو کے بعد نمازِ عشاء پڑھی تھی۔ نوافل پڑھے تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار رب کو اتنے خلوص سے یاد کیا تھا۔

ہاتھ اٹھائے تھے میں نے۔ مجھے اپنی دعا نہیں بھولتی زوہیب۔ میں چاہ کر نہیں بھول سکتی اپنی بے بسی کی تصویر۔

"اللہ میں آپ کے سامنے ہوں۔ آپ میری مشکل بھی جانتے ہیں اور اس کا حل بھی۔ میں بے بس ہوں۔ آپ طاقت رکھتے ہیں۔ میں بشر ہوں اور آپ مالک۔ میں بندی ہوں اور آپ موت دینے اور لینے والے۔ میری ماما کی مشکل آسان کر دیں۔ ان کے لیے آسانی والا معاملہ کر دیں۔ میرے لیے آسانی والا معاملہ کر دیں۔"

میں وہاں پر بیٹھے روتی رہی تھی۔ جو آنسو میں پانے کی کوشش کر رہی تھی وہ مجھے مل گئے تھے، میری مشکل آسان ہو گئی تھی۔ اب جب میں نکلی تھی تو میں پُر اعتماد تھی کہ ماما ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں نے ہسپتال کے کاریڈور میں قدم رکھا تھا۔ میں مسجد سے یہ سوچ کر نکلی تھی کہ میں ماما سے بات کروں گی، ان کو حوصلہ دوں گی۔ قدم بڑھاتے ہوئے میں بالکل ان کے وارڈ کے سامنے کھڑی تھی، دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی، میں وارڈ میں داخل ہو گئی تھی اور جب میں رکی تھی تو میں عین ان کے دروازے کے سامنے تھی۔ میں نے دروازہ دھکیلا تھا۔ کاش میں وہ دروازہ نہ دھکیلتی۔ کاش میں روح کو پرواز ہوتا نہ دیکھتی۔

میں نے جب دروازہ کھولا تھا تو ماما زندہ تھیں، انھوں نے مجھے دیکھا تھا اور پھر ان کی آنکھیں مجھ پر ہی جم گئیں تھیں۔ ان کے ہاتھ بے جان ہو گئے تھے۔ وہ نرس جو مجھے باہر نکالنے کے لیے آگے بڑھی تھی، ماما کو یوں دیکھ کر ڈاکٹر کو بلانے کے لیے بھاگی تھی۔ میں کسی بُت کی مانند کھڑی تھی۔ جو آنکھوں نے دیکھا، جو دل پکار رہا تھا وہی سچ تھا۔ ماما مجھے دنیا کے دھکے کھانے کے لیے چھوڑ گئی تھیں۔

میرے کانوں میں آواز گونجی تھی،

"وہ لوگوں کی نہیں سنتا دیکھو اس نے تمھاری نہیں سنی۔"

کوئی تمسخر سے ہنسا تھا۔ میرے اندر مسلسل آوازیں گونج رہی تھیں۔ میری جنگ میں کوئی ہارا تھا تو وہ میرا ایمان تھا۔ ایمان کو نہیں ہارنا چاہیے زوہیب۔ ایمان کو بچ جانا چاہیے۔

'پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔' (القرآن)

کوئی بہت چالاکی سے عبداللہ کو اللہ سے ہی بدگمان کر گیا تھا۔

"اس دن میں نے جان لیا کہ رب ہوتا ہی نہیں ہے، اگر ہوتا تو میرے ساتھ میری ماں ہوتی۔ اگر ہوتا تو مجھے اکیلا نہ چھوڑا جاتا۔"

آنسو چہرہ بھگو چکے تھے۔ زوہیب بہت خاموشی سے ملائک کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی الفاظ ایک مناسب وقت پر دیے جاتے ہیں اور یہ وقت مناسب نہیں تھا۔ یہ وقت سامع بننے کا تھا۔

~•~~•~•~•~~•~•~~•~•~•~~•~•~~•~•~~•~•~•~•~

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب ہشتم

جب زندگی تلخ رخ دکھاتی ہے تو برداشت کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لمحے ہمیں کوئی چاہیے ہوتا ہے جس کے سر ہم سارے مکالے کو ڈال دیں، سارے حالات کا ملبہ اس پر ڈال دیں۔ ملائکہ کو بھی کوئی ایسا ہی چاہیے تھا جس کے سر وہ اپنی زندگی کی تمام مشکلات ڈال دے اور

اس نے وہی کیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کی تمام مشکلات کو رب کے اوپر ڈال دیا تھا۔ میں اس لمحے اس سے کہنا چاہتا تھا کہ تم نے تو خالہ جان کی زندگی کی دعا مانگی ہی نہیں تھی۔ آسانی مانگی گئی تھی تو رب نے آسانیوں والا معاملہ ہی کیا تھا۔

ہم ٹورانٹو پہنچ چکے تھے۔ ایک طویل خاموشی ہمارے درمیان حائل تھی۔ ٹورانٹو سے اوٹاوا کا سفر ابھی باقی تھا۔ ٹورانٹو پہنچنے کے بعد سب سے پہلے ہم نے کھانا کھایا تھا۔ اس دفعہ کھانے پر اصرار نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ انتہائی خاموش تھی، یا شاید یہ خاموشی اب زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

آخری فلائیٹ کا وقت آن پہنچا۔ ہم رات کے دس بجے کے قریب اس فلائیٹ پر بیٹھے تھے۔ دورانِ سفر بتائے گئے غم کو دورانِ سفر ہی ختم کرنا تھا۔ معاملات میں دیر نقصان کا باعث ہوتی ہے۔

وہ کھڑکی کی طرف بہت خاموشی سے بیٹھی تھی اور میں نے بولنا شروع کیا تھا۔

"آغاجان کی موت کا ڑا اما عرصے تک میرے ساتھ رہا تھا۔ میں نے آغاجان کو ہر لمحہ یاد کیا تھا تب بھی جب میں مالی طور پر مضبوط ہو چکا تھا۔ ایک عرصے تک مجھے آغاجان اپنے نقصان کی وجہ سے یاد آتے رہے ہیں جیسے تمہیں خالہ جان یاد آتی ہیں۔ تمہیں اس وقت خالہ جان اپنے نقصان کی بدولت یاد آتی ہیں۔ وہ ہوتیں تو شادی نہ ہوتی۔۔۔پہلا نقصان۔" شادی کو نقصان کہنا آسان نہیں تھا۔

"وہ ہوتیں تو تم اس انداز سے کینیڈا نہ آتیں۔ وہ ہوتیں تو تمہارے گھر والے تم سے اس انداز میں لاتعلقی نہ برتتے، لیکن میرا یقین کرو ان سب حالات کو تم پر اسی انداز سے اثر کرنا تھا۔ اس سب کو ہونا تھا کیونکہ یہ مکتوب تھا۔ اس بات پر یقین کرو گی کہ جو ہوتا ہے خیر سمیٹے ہوتا ہے تو ناقابلِ برداشت حالات برداشت کے قابل ہو جائیں گے۔ ملائک، حالات کے نتائج کو کسی کے سر پر مت ڈالو۔ ان کو قبول کرو اور ان حالات میں کام کرنا سیکھو۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی تھی۔

"ماں کے جانے کا غم شدید ہے زوہیب۔"

"غم تا عمر نہیں رہتا ملائک۔"

"میں نے ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے بے جان ہوتے دیکھا ہے۔"

"لیکن تم خوش قسمت تھی ملائک۔ تم نے خالہ جان کا جنازہ تو دیکھا۔ بہت سے لوگ اس سے محروم ہو جاتے ہیں ملائک۔"

وہ خاموش ہو گئی تھی۔ تھکا دینے والے سفر کا اختتام ہوا تھا۔ جسمانی تھکاوٹ ختم ہو جاتی ہے مگر ذہنی تھکاوٹ آپ سے بہت کچھ مانگتی ہے۔ نجانے کتنا وقت درکار تھا اس تھکاوٹ کو ختم ہونے میں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•

ہم اوٹاوا پہنچ چکے تھے۔ ایسی سرزمین جو میرے غموں کی گواہ تھی۔ ایسی سرزمین جہاں میں نے اپنے ماں باپ کو دم توڑتے دیکھا تھا۔ ایسی سرزمین جہاں میں نے ان کو سب کی اجازت کے بغیر شدید مخالفت کے ساتھ دفنایا تھا۔ یہ تھا اوٹاوا۔ میرے حالات کا گواہ۔ میرے زوال کو دیکھنے والا۔ میرے عروج کو دیکھنے والا۔ میری اور بہت سے لوگوں کے غم

کی کہانی کو اپنے اندر سمیٹنے والا۔ میرے ملک کا دارالخلافہ اوٹاوا۔ میرا کمفرٹ زون۔ میرا شہر۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

باب نہم

یہ تھا زوہیب کا شہر اوٹاوا۔ وہ شہر جہاں داخل ہوتے ہی میں اپنے غم کو الفاظ دینے لگی تھی۔ شدید تھکن کے باوجود مجھے اوٹاوا کی زمین سے اپنائیت محسوس ہوئی تھی۔ یہ میرے خالو جان کی سرزمین تھی۔ میری خالہ یہاں آئی تھیں اور یہ اب میرے ایک اور تعلق سے منسلک تھی۔

ائیرپورٹ سے ہم نے ٹیکسی کی تھی، وہ ٹیکسی گھر کے سامنے رکی تھی۔ گھر کا دروازہ کھلتے ہی سامنے اللہ کا نام دیوار پر چسپاں نظر آیا تھا۔ ایک پرانا منظر نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔

"ماں یہ تصویر ادھر کیوں لگا رہی ہیں؟ اس کو ہم اوپر ہال میں لگا لیتے ہیں نا۔"

وہ خطاطی تھی۔ اللہ کے نام کی خطاطی جس کو ماں اس انداز سے لگا رہی تھیں کہ دروازہ کھلتے ہی پہلی نظر اس پر پڑے۔

"ملائک، اللہ کا نام تازگی دیتا ہے۔ جب روح و جسم تھکن کا شکار ہو جائے تو یہ نام احساس دلاتا ہے رب موجود ہے۔ تھامنے والا موجود ہے۔"

ابھی اس تصویر کو دیکھ کر یاد آیا تھا کہ یہ نام ماں کو تازگی دیتا تھا۔ اگر یہ نام ماں کو تازگی دیتا تھا تو مجھے بھی اس سے تازگی چاہیے۔ جو ماں کے لیے خوشگوار احساس تھا وہ میرے لیے تکلیف دہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس دن میں نے خواہش کی تھی کہ وہ نام میرے لیے تازگی بنے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

زوہیب نے مجھے میرا کمرہ دکھایا تھا۔ وجود تھکن سے چور تھا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مجھے پلز چاہیے تھیں جو زوہیب ائیرپورٹ پر ہی لے چکا تھا۔

اپنے کمرے سے نکل کر میں نے زوہیب کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ میں نے اس کو اس کمرے میں جاتے دیکھا تھا، یقیناً وہ اسی کا کمرہ تھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ دروازے پر کھڑا تھا۔

کیا وہ رویا تھا یا یہ نیند کی بدولت تھا؟

"ہمم؟"

اس نے ہنکارا بھرا تھا۔ وہ نہیں بولا تھا۔ کیا اس کو اپنی آواز کے بھاری ہو جانے کا خوف تھا؟

"میری پلز مجھے دے دیں۔"

اس نے ایک نظر مجھے دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر سرخ آنکھیں لیے سامنے تھا۔ اس کی مٹھی بند تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ ڈبی اس کے ہاتھ میں مکمل چھپ جاتی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پلز؟"

مٹھی میرے سامنے کی گئی تھی۔نامحسوس انداز میں،میں نے اپنا ہاتھ اس کے آگے کیا تھا۔ مٹھی کھلی تھی اور ایک گولی اس کے ہاتھ سے آزاد ہو کر میری ہتھیلی پر گری تھی۔ایک گولی۔میرے ہونٹوں سے بہت خاموشی سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔

"مجھے ڈبی واپس کریں۔میں اس ایک گولی سے نیند کی وادی میں نہیں کھو سکتی۔"

"نہیں مل سکتی۔"

اس کی آواز بھاری تھی۔میں ٹھیک تھی،وہ رویا تھا۔اس کی آواز نمی کے باعث بھاری تھی۔ ایک خاموش نظر میں نے اس کو دیکھا تھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ دی تھی۔

میں روتے ہوئے کو سہارا نہیں دے سکتی تھی۔جب سہارا نہیں دے سکتی تھی تو مجھے اس کو سننا بھی نہیں تھا۔میں فی الوقت اس کے لیے یہی کر سکتی تھی کہ اس کو تنہا چھوڑ دوں۔ماں کہتی تھیں تنہائی میں رب ساتھ ہوتا ہے۔میں نامحسوس انداز میں رب پر یقین کر رہی تھی۔

•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

سحر کی ٹھنڈک ہر سو پھیل رہی تھی۔ وقت فجر۔ ایک گولی لینے کا اثر تھا کہ میں رات کو بارہ بجے سونے کے باوجود تین بجے اٹھ چکی تھی، اس وقت سے مسلسل میں چھت کو گھور رہی تھی۔ ابھی میں بیڈ پر لیٹے فیصلہ کر رہی تھی کہ مجھے نماز پڑھنی ہے کہ نہیں۔

رب کا منکر ہو جانا اور پھر لوٹنا یہ خود میں ایک جنگ ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ میں ہوں۔ ایک لمحہ ہوتا ہے انسان پلٹ جاتا ہے۔ میں پلٹ آئی تھی یا شاید میں پلٹ رہی تھی، میرے لیے اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اس لمحے نماز پڑھنے کا فیصلہ بھی مشکل تھا۔

مجھے بار بار اپنے اندر سے آواز آتی تھی کہ میں دھوکے باز ہوں جو اپنے فیصلے پر چند مہینے بھی نہ ٹھہر سکی۔ کیا یہ ضمیر تھا؟

فیصلہ مشکل تھا۔ خود سے جنگ میں 'میں نے پھر ماں کو یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ ماں کو نماز فجر ٹھنڈی لگتی تھی۔ وہ کہتی تھیں یہ دل کو سکون دیتی ہے۔ دن کو رحمتوں میں گھیر دیتی ہے۔ کیا مجھے یہ رحمتیں سمیٹنی چاہیے تھیں؟

"ملائکہ، نیکی کا فیصلہ کر لو تو اس پر ڈٹ جاؤ۔ پیچھے مت ہٹو۔"

ماں کی آواز کی گونج زندگی کتنی سہل کر دیتی تھیں۔ میری راہِ حیات میں ماں کا کردار زندگی تھا۔ وہ نہیں تھیں تب بھی ان کے الفاظ تھے۔ الفاظ نہ ہوتے تو موت ضرور دستک دیتی۔

لیٹے لیٹے میں نے نماز کا وقت گوگل کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس لمحے مجھے پہلی دفعہ خیال آیا تھا کہ میرا فون تو میں اسلام آباد سے لائی ہی نہیں۔ ایک مشکل ختم ہوتی نہیں تھی کہ دوسری مشکل دستک دے دیتی تھی۔ کیا معلوم زوہیب کے پاس ہو میرا فون۔ مدھم سی امید لیے میں پھر اس کے دروازے پر تھی۔

ہاتھ فضا میں بلند ہوا تھا۔ دستک دی گئی تھی۔

"کاش کہ میں اس کی نیند میں خلل پیدا نہ کروں۔"

دروازہ کھلا تھا۔ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں اب سرخ نہیں تھیں مگر سوجن زدہ ضرور تھیں۔ آنکھوں کے پپوٹے اوپر سے سوجھے ہوئے تھے۔

"وہ میرا فون آپ کے پاس ہے؟"

اس نے نا سمجھی کے عالم میں مجھے دیکھا تھا۔ اس کے انداز سے واضح تھا اس کو میری بات سرے سے سمجھ ہی نہیں آئی۔

"میں اسلام آباد سے فون نہیں لائی۔ مجھے لگا کہ میرا فون شاید آپ کو دے دیا ہو گا گھر والوں نے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اذان کا وقت ہو چکا ہے کہ نہیں؟ میں نے بس وہی گوگل کرنا تھا۔"

اس نے ایک نظر اندر کمرے میں جھانکا تھا۔

"اذان کا وقت ہو چکا ہے۔" زکام زدہ آواز۔ وہ یہ کہہ کر خاموش نہیں ہوا تھا، پھر بولا تھا۔

" صبح سامان سیٹ کر لیجیے گا۔ اگر کوئی چیز چاہیے ہو تو بتا دیجیے گا۔ اگلے مہینے سے آپ کا کالج اسٹارٹ ہے۔"

ابھی میں جواب دیتی کہ دروازہ میرے منہ پر بند ہو چکا۔ عجیب دھوپ چھاؤں سا آدمی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

نماز بھاری تھی۔ پڑھنا مشکل تھا لیکن ایک دفعہ پھر میں امید لگانا چاہتی تھی۔ میں ایک دفعہ پھر ماں کی ملائک بننا چاہتی تھی۔ نماز پڑھنے کے دوران ذہن کے پردے پر ماں کا چہرہ بار بار ابھرتا تھا۔ سردیوں کی وہ نمازیں بے انتہا خوبصورت ہوا کرتی تھیں جب نماز کے بعد میں، ماہم اور ماں ایک رضائی میں بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ بات ماں شروع کرتی تھیں اور پھر ہماری سوچ کے تبادلے ہوتے تھے۔ ذہن پر پرانے منظر ابھرتے جاتے اور میری آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کیا ماہم کو اب میں یاد آؤں گی؟

کیا بہنیں اتنی جلدی پرائی ہو جاتی ہیں؟

نا ختم ہونے والے سوالات۔۔۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سوٹ کیس میں نے کھولنا شروع کیے تھے اور مجھے پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ اس میں ایک جوڑا بھی یہاں پر پہننے والا نہیں ہے۔ ماہم نے کیا سوچ کر میرے بیگ کو شلوار قمیض سے بھرا تھا میں سمجھنے سے قاصر تھی۔ شلوار قمیض بھی لان کی۔ کیا اس کو یہاں کے موسم کے بارے میں علم نہیں تھا؟

ایک سوٹ کیس کے بعد میں دوسرے سوٹ کیس کی طرف بڑھی تھی۔ کیا معلوم اس میں سردیوں کے حساب سے کپڑے ہوں۔ سوٹ کیس کھولا تھا۔ سوٹ کیس کے ایک حصے میں چند اسکرٹس تھیں۔ بلیک، وائٹ اسکرٹس۔ سوٹ کیس کے دوسرے حصے میں ٹاپ تھے۔ سوئیٹرز، کوٹ کچھ بھی نہیں تھا۔

اس سردی میں کیا کوٹ کے بغیر گزارا ممکن تھا؟

اس لمحے مجھے خود پر رونا آیا تھا۔ میری اپنی ذات میرے اپنے لیے شرمندہ تھی، غمگین تھی۔ اجنبی شہر، اجنبی لوگ اور ہاتھ خالی۔

Clubb of Quality Content

میں یہاں پر رہوں گی زوہیب کے گھر۔ میرے اخراجات اٹھائے گا زوہیب۔ میری یونی کی فیس دے گا زوہیب۔ میرے ٹرانسپورٹ کا خرچہ دے گا زوہیب اور اب میرے پاس کپڑے بھی نہیں ہیں۔ اس سے تو بہتر تھا وہ کسی لاوارث سے نکاح کر لیتا۔ کپڑوں کے نام پر کچھ تو اس کے پاس بھی ہوتا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو گال پر بہہ رہے تھے۔ میں آخر کس کس چیز کا ماتم کروں؟ بے گھر ہونے کا، ماں کے جانے کا یا زوہیب کے سر پر اس انداز سے مسلط ہونے کا۔ عزتِ نفس، خودداری جیسے الفاظ شاید میرے لیے رہے ہی نہیں تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

"تمہیں کوئی سامان چاہیے؟"

صرف سامان؟ مجھے تو کپڑے بھی چاہیے تھے۔

"ماہم نے میرا کوئی بھی سوئیٹر یا کوٹ نہیں رکھا۔" اس سردی میں میں جمنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ سوئیٹر میری ضرورت تھا۔ ضرورت کو پورا کرنا میری مجبوری تھا۔

"تو ٹھیک ہے، ہم ناشتے کے بعد چلیں گے۔"

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~

ہم مال میں داخل ہوئے تھے۔ برینڈز کے نام دیکھ کر مجھے سالوں پرانا واقعہ یاد آیا تھا۔ آوازیں گڈمڈ ہونے لگی تھیں۔ ماں کی یاد پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ ماں کی آواز، ماں کی نگاہیں۔ میں مال میں نہیں رہی تھی۔ میں دور جا رہی تھی۔

"زوہی۔۔ب۔۔"

آواز لرز رہی تھی۔ ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔

"ملائکہ، تم ٹھیک ہو؟"

سر خود بخود نفی میں ہلا تھا۔ اگر میں کچھ دیر اس مقام پر مزید کھڑی ہوتی تو یقیناََ وجود پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ میں نے اپنی کلائی کا پکڑے جانا محسوس کیا تھا۔ میں چل رہی تھی لیکن میں ادھر نہیں تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہاں، میں کینیڈا سے اسلام آباد کا سفر کر گئی تھی۔ اسلام آباد وہی سرزمین جہاں ماں ہوا کرتی تھیں۔ اس وقت جب ماں زندہ تھیں۔

مجھے جھنجھوڑا گیا تھا۔ شناسا چہرہ۔ ماضی اور حال گڈمڈ ہو رہا تھا۔ ماں کی موت، نکاح، زوہیب۔ ایک، دو، تین۔۔۔

آنسو بہنے لگے تھے۔ واقعات پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ زندگی مشکل ہو رہی تھی۔

"ملائک، گاڑی میں بیٹھو۔"

کھلے دروازے کو دیکھ کر میں اندر بیٹھی تھی۔ دوسری جانب سے ہوتے ہوئے اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا۔

"کیا ہوا ملائک؟"

آوازیں گڈمڈ ہوتی ہیں۔ سب مل جاتا ہے۔ لمحے میں' میں کینیڈا سے اپنے گھر کے ڈائنگ کا سفر کر لیتی ہوں۔

"زوہیب، ماں یاد آتی ہیں۔"

میں سیکنڈ ایئر میں تھی۔ میں نے گھر میں قدم بعد میں رکھا تھا اور طوفان پہلے کھڑا کر دیا تھا۔

'مما مجھے فیر وال پر برینڈ سے کپڑے لینے ہیں۔'

میں واپس کینیڈا میں مال کے باہر کھڑی گاڑی سے اسلام آباد میں بنے گھر کی مسافر بن گئی تھی لیکن ابھی یہ سفر زوہیب کے ساتھ کر رہی تھی۔

"ماہم ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھی تھی۔ میری آواز سن کر وہ بھی چیخ پڑی۔

'نہ سلام نہ دعا، کپڑے!' کبھی کبھی حقیقتاً مجھے وہ اپنی دشمن ہی لگتی تھی۔

'یار ماہو! ماما کو راضی کر دو پلیز۔'

"زوہیب، ماہم اکثر ماما سے میرے لیے فرمائش کرتی تھی۔ میری آنکھوں میں جو آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے آج مجھے آنسوؤں سے بھگو گئے ہیں۔ ماہم نے آنکھیں گھمائیں تھیں جس کا مطلب واضح تھا: اپنی دال خود گلاؤ اور خود کھاؤ۔۔۔"

میں اس کے پاس سے اٹھی تھی۔ اب میں نے قدم کچن کی طرف بڑھائے تھے، میں محتاط تھی۔

'السلام علیکم!'

'وعلیکم السلام! کب آئی ہو؟ کھانا لگاؤ؟'

'جی لے آئیں۔۔۔'

میں نے فیصلہ کر لیا تھا ڈائننگ ٹیبل پر میں اگل دوں گی مجھے کیا چاہیے اور بس وہی چاہیے۔ انکار کی کوئی گنجائش تو کبھی میں نے نکالی ہی نہیں تھی۔

ٹیبل پر کھانا سج چکا تھا۔ میں نے بغیر تمہید کے بات شروع کی تھی۔

'امی مجھے برینڈڈ کپڑے چاہیے۔ میں فیر ویل پر وہی پہن کر جانا چاہتی ہوں۔'

انہوں نے نا سمجھی کے عالم میں مجھے دیکھا تھا اور نجانے کتنے لمحے بس دیکھتی ہی رہیں تھیں۔ کچھ حیرت سے، صدمے سے، پھر افسوس سے۔ پھر اسی کیفیت میں ان کے لب آزاد ہوئے تھے اور انہوں نے کہا تھا،

'کپڑے برینڈڈ پہننے سے لوگوں کی اہمیت نہیں ہوا کرتی ملائک۔'

میں نے اس نصیحت پر اپنی ناک پھلائی تھی، پھر آنکھیں گھمائی تھیں اور غصے کے اظہار میں ماں کی نصیحت کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔

'میں اچھی لگنا چاہتی ہوں امی۔ مجھے برینڈڈ کپڑے ہی پہننے ہیں۔ میں اپنا بھرم رکھنا چاہتی ہوں۔'

'بھرم کس چیز کا؟ اچھی تو تم اب بھی بہت لگ رہی ہو۔ بتاؤ ذرا یہ یونیفارم جسے اسکول سے آتے ہی چینج کرتے ہیں، تم اس کو پہنے ہوئے ہو، پھر بھی تمہارا رتبہ کم تو نہیں ہوا۔ تم کھانے کی ٹیبل پر کھانا اسی یونیفارم میں کھا رہی، کیا بھرم کم ہو گیا؟ تم کیا کرو گی برینڈ پہن

کر؟ دس لوگوں کو بتاؤ گی، ان کو احساسِ کمتری کا شکار کرو گی کہ اللہ نے تمہیں بہت دیا ہے۔ ملائک، غرور تو اللہ کو سرے سے نہیں پسند۔۔۔'

'میں تو بس خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔'

میرا کھانے سے دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ میرا ہر چیز سے دل اٹھ گیا تھا۔ چہرہ بھی میں نے پھلا لیا تھا اور میں جانتی تھی اب بابا آئیں گے اپنے ہاتھ میں برینڈڈ بیگ لیے ہوئے۔ بس یہی تو ہوتا تھا۔۔۔

اور رات تک یہی ہوا۔ میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ میں جانتی تھی یہ بابا ہی ہیں کیونکہ گھر میں ان کے علاوہ دستک کوئی دے دے تو جرمِ عظیم نہ ہو جائے۔

'بابا، آپ بیٹھیں۔۔۔' مجھے علم تھا ہر ایک قدم کا، چونکہ پہلی دفعہ تو ایسا ہوا ہی نہ تھا۔ میں بارہا اپنے کام ایسے ہی کروالیتی تھی اور مجھے اس بات پر ان دیکھا سا فخر ہوتا تھا جبکہ یہ شرمندہ ہونے کا مقام تھا کہ انسان اپنے نفس کے پیچھے دوسرے کا خیال کرنا بھول جائے۔

بابا نے بیگ میری طرف بڑھایا تھا۔ میں نے تھام لیا اور اس کو بیڈ کے کونے پر رکھ دیا۔

زوہیب، زندگی میں بہت سے مقامات پر میں مال گئی ہوں۔ میں نے بہت سے مقامات پر بہت مہنگے کپڑے لیے ہیں۔ کبھی ماں کی خفگی سے بھری نظریں سامنے نہیں آئیں۔ مال میں داخل ہوتے، برینڈز کے نام دیکھتے کبھی سانس نہیں پھولا تھا۔ زوہیب، یہ تکلیف مجھے مار دے گی۔ ماں ناراض نہیں تھیں مجھ سے لیکن اب لگتا ہے میرے ہر قدم نے انہیں صرف ناراض کیا ہے۔"

آنسو بغیر تھمے گرتے جا رہے تھے۔ زوہیب مجھے دیکھتا رہا تھا، پھر وہ بولا تھا،

"ملائک، عمر کے ہر حصے میں ہم مختلف خواہشات مختلف انداز سے کرتے ہیں، جیسے تم نے کی۔ وہ عمر کا وہ حصہ تھا جب تمہیں لوگوں کے سامنے واضح ہونے کا شوق تھا۔ تم نے خالہ جان سے ہی اپنی خواہش کا اظہار کرنا تھا۔ تمہارے والدین تمہارے سرپرست تھے۔ جب وہ سرپرست تھے تو تمہیں ان سے ہی مانگنا تھا، ان سے ہی اپنی خواہشات کا اظہار کرنا تھا۔ وہ ان کا فرض تھا کہ وہ اس کو مکمل کریں۔ ہاں، اب یہ فرض میرے کندھوں پر آ چکا ہے
۔"

وہ بہت مدہم سا مسکرایا تھا۔

خالہ جان نے تمہیں کچھ سکھانا تھا اس لیے خفگی بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ ان نظروں کو آج سے مت جوڑو۔ مائیں اولاد سے ناراض نہیں ہوتیں۔"

میں نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"تم بیٹھو، میں تمہارے لیے سوئیٹر لے کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ نکلا تھا۔ میری نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس نے وائٹ ہائی نیک کے اوپر بلیک لانگ کوٹ پہن رکھا تھا۔ ہائی نیک کے ساتھ اس نے بلیک گرقہ پینٹس پہن رکھی تھیں۔ اب اس کی پشت میری جانب تھی، اس کا کوٹ ہوا میں لہرا رہا تھا۔ اس ثانیے میں نے خود پر نظر ڈالی تھی۔ اپنے سائز سے بڑا کوٹ تھا میرا۔ یہ کوٹ سرمئی رنگ کا تھا اور یہ تھا بھی زوہیب کا کوٹ۔

آہ، زندگی نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مجھے ذلیل کرنے کی۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

باب دہم

میں مال میں داخل ہو رہا تھا اور کل کا پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔

پہلے پلز کا مطالبہ، پھر نماز کا پڑھنا اور اب اس قدر بو کھلا جانا۔

ہر بات کی وجہ موجود تھی۔ کوٹ لیتے ہوئے بھی مسلسل مختلف سوچیں میرے گرد گھیرا تنگ کیے ہوئی تھیں۔ ایک ٹین ایجر جو اپنی ایموشنز کی پیک پر ہو اس کو تھامنا مشکل تھا۔ انتہائی مشکل۔ خالو جان کا فیصلہ پہلی دفعہ مجھے اس موڑ پر غلط لگا تھا۔ نکاح ہیلنگ کا راستہ نہیں تھا۔ یہ اس کو مزید مشکل میں ڈالنے کی وجہ تھا۔ جن حالات میں آپ پچھلے تعلقات نہیں نبھا سک رہے ان میں نیا تعلق طوق تھا۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

میں گاڑی میں واپس آ کر بیٹھا تھا۔ روئی روئی آنکھیں، سرخ ناک۔ اس کے چہرے پر درج تھا وہ کافی دیر روتی رہی ہے۔

"کوٹ گھر جا کر دیکھ لینا، مسئلہ ہو تو بتا دینا۔"

"جی۔" زکام زدہ آواز۔

" کھانا کھانے کہیں جانا ہے؟"

" نہیں۔" گیلی سانس اندر کھینچی گئی تھی۔

"اوکے۔"

Clubb of Quality Content!

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

گاڑی گھر کے پورچ میں رک گئی تھی۔ بہت خاموشی سے ہم دونوں گاڑی سے باہر نکلے تھے۔ شاپنگ بیگ میں نے ملائک کی جانب بڑھائے تھے، ان کو پکڑتے وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

باہر سے کھانا نہ کھانے سے مراد تھا کہ کھانا مجھے خود بنانا تھا۔ کوئی مجھے دیکھ کر کہہ سکتا تھا میں نکاح شدہ ہوں۔ کہہ بھی دیتا تو مجھے کون سا فرق پڑنا تھا۔

آتے ہی کچن میں گھسنا ایک مشکل امر تھا اور میں نے بلا جھجک اس مشکل کو سر کیا تھا۔

تیل، پیاز، ٹماٹر۔۔۔ آہستہ آہستہ چیزیں شامل ہو رہی تھیں۔ کھانا پکنے کے مراحل میں داخل ہو چکا تھا کہ وہ منظر پر آئی تھی۔ کھانا پکانے کا احساس کبھی اس قدر خوشگوار نہیں ہوا تھا۔ میں نے خوش دلی سے اس کو دعوت دی تھی۔

"آجائیں، ہمیں جوائن کر سکتی ہیں آپ مس ملائک!"

وہ کچن میں کھانے کی میز کے پاس سے ایک کرسی کھینچ کر بغیر کسی سوال کے بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی نظریں خود پر محسوس کی تھیں۔ کیا وہ واقعی مجھے دیکھ رہی تھی یا وہ اپنی سوچوں سے لڑ رہی تھی اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کھانا بناتے میں اس کی جانب بات کرنے کے لیے مڑا تھا اور پھر میں نے چند قطرے ٹیبل کی سطح پر جذب ہوتے دیکھے تھے۔

"یا اللہ، ملائک کیا ہو گیا ہے؟"

پہلے اس کے رونے میں شدت نہیں تھی۔ اب اس کے رونے میں شدت آچکی تھی۔ فلیم کم کرتا میں اس کے سامنے والی کرسی پر آکر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ ٹیبل پر جمے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے رو رہی تھی۔ ایک، دو، تین۔۔۔ آنسو گرتے جا رہے تھے۔

"ملائک، مسئلہ نہیں بتاؤ گی تو حل کیسے نکلے گا؟"

"مجھے کھانا نہیں بنانا آتا۔" پہلے میں نے ناسمجھی کے عالم میں اس کو دیکھا تھا۔ کیا یہ مسئلہ اس قابل تھا کہ اس پر رویا جائے؟ اور اگلے ہی لمحے میں سمجھ چکا کہ مسئلہ کھانا نہ بنانا نہیں تھا، مسئلہ میرا کھانا بنانا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہیں کھانا بنانے کو کس نے کہا؟"

"لیکن مجھے آنا چاہیے تھا۔" رونے میں پھر شدت آ گئی تھی۔

"سیکھ لینا، جب ضروری ہو گا۔" رونے میں کمی آ رہی تھی۔

"ابھی ہی ضروری ہے۔" اس کا لہجہ ضدی ہوا تھا۔

"لیکن ابھی تو میں بنا رہا ہوں نا۔ بہت اچھا نہ سہی لیکن اتنا برا ابھی نہیں بنا تا کہ کسی کو الگ سے کھانا بنانا پڑے۔" جو آنسو رک رہے تھے وہ اسی رفتار سے پھر بہنے لگے تھے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ جو جملہ میں اس کے موڈ کو خوشگوار کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں، وہ میرے ہی گلے کا پھندا بن جائے گا۔

"میں نے آپ کے کھانے کو برا نہیں کہا تھا۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ مجھے کھانا نہیں بنانا آتا۔"

"او کے، ٹھیک ہے۔ نہیں بنانا آتا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے مجھے اس سے۔"

"میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔" کھانا بناتے پیسوں کا ذکر کچھ عجیب تھا لیکن خیر، جن کی زندگی ہی عجیب چل رہی ہو ان کو کیا ہی شکوہ۔

"مجھ سے لے لینا۔ کیا چاہیے تمہیں؟"

"میں کوٹ کے پیسے نہیں دے سکتی۔" آواز پھر گیلی ہو رہی تھی۔ مسئلہ نہ کھانا بنانے کا تھا نہ پیسوں کا۔ مسئلہ ملائک کی خودداری کا تھا جو میری جانب سے لی گئی چیزوں کو قبول کرنا اس کے لیے مشکل کر رہا تھا۔

"تمہیں گاڑی میں ایک جملہ کہا تھا میں نے، دھیان دے دیتی تو اتنے لیٹر آنسو بچ جاتے۔ قوام کی اصطلاح سے واقف نہیں بھی ہو تب بھی جان لو، تمہارا قوام میں ہوں۔ تمہاری ذمہ داری اب سے مجھ پر ہے۔ اسلام آباد سے کینیڈا تمہیں میں کبھی نہ لاتا اگر ذمہ داری نہ اٹھا سکتا۔ کھانا بنانا میرا شوق ہے، مجھے اپنے شوق کو پورا کرنے میں کوئی مسئلہ کبھی درپیش نہیں رہا۔ ماں جی کے ہوتے ہوئے اکثر میں نے خود کھانا بنایا ہے تو اب بھی مسئلہ نہیں ہے۔ جہاں تک پیسوں کی بات ہے تو ملائک، بیوی پر پیسے خرچ کرنا میری ذمہ داری ہے۔ پھر بھی اگر تمہیں مسئلہ ہے تو تم یہ سمجھ لو یہ تمہارے مہر کے پیسوں میں سے ہے۔"

چند لمحے خاموشی کا دوہرا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"چلیں خانساماں زوہیب احمد، کام کریں۔" مدہم مسکراہٹ روئے روئے چہرے کے گرد پھیلی تھی۔

"خطاب اچھا نہیں تھا مگر مسکراہٹ اچھی تھی۔" بولتے میں واپس چولہے کی جانب مڑا تھا۔ کرسی کے دھکیلنے کی آواز آئی تھی، وہ جا رہی تھی۔ میں اس کو چاہ کر بھی نہیں روک سکتا تھا۔ جانے والوں کو بھلا کوئی روک سکتا ہے؟

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب یازدہم

آج میرا یونی کا پہلا دن تھا۔ مجھے اپنے سیکنڈری سکول کا پہلا دن یاد آیا تھا، وہ بھی ایسا ہی تھا۔ اداس، سکون سے عاری۔

میں نے الماری کے پٹ وا کیے تھے۔ بلیک نیک ٹاپ اور وائٹ سکرٹ میں نے نکالی تھی۔ کسی دور میں سکرٹس میری پسندیدہ ہوا کرتی تھیں۔ اگلے پانچ منٹ میں میں تیار تھی۔ کل لائے گئے کوٹ میں سے بلیک کوٹ میں نے نکالا تھا۔ سر پر اسکارف لیتے جو واحد چیز میرے ذہن میں گردش کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ آج میری زندگی کا ایک اور دور شروع ہو رہا ہے۔ ایک کٹھن دور یقیناً۔

سوچوں میں گھری میں باہر آئی تھی۔ زوہیب کو ناشتہ یا کھانا بناتے دیکھ ہمیشہ میرا دل پکارتا تھا کہ چلو بھر پانی میں ڈوب جاؤ۔ کیا تھا جو مجھے تھوڑا بہت ہی سہی کھانا بنانا آتا ہوتا۔ خاموشی سے کرسی کھینچ کر میں بیٹھ چکی تھی۔ بنانا نہ سہی کھانا تو آتا ہی تھا۔

" صبح بخیر! زندگی کی نئی شروعات مبارک!" مجھے کبھی کبھی لگتا تھا یہ مجھے ذلیل کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں نے آخر اس کو صبح بخیر کیوں نہ کہا۔

" شکریہ! آپ کو بھی صبح بخیر!" کچھ عزت اپنی رکھنی تھی۔

"زہے نصیب! صبح میں چھوڑدوں گا۔ واپسی پر بس استعمال کر لینا، میں روٹ سمجھادوں گا۔ مجھے اکثر رات کو آتے دیر ہو جاتی ہے۔"

میں نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ اس لمحے میں یہ ہر گز کہنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی کہ مجھے راستے یاد نہیں رہتے۔ خاموشی سے ناشتہ کرنے کے بعد میں نکلنے کے لیے تیار تھی۔ ہاتھ میں کوٹ پکڑے میں اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ نکلا تھا۔ بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ، اس کے ساتھ کل والا کوٹ۔ اس کے ہاتھ میں بیگ تھا جو اس نے میری جانب بڑھایا تھا۔

"لیپ ٹاپ ہے۔ تقریباً سارے کام تمہارے اسی پر ہونے ہیں۔"

میں انکار کرنے کی کنڈیشن میں تھی ہی نہیں۔ انکار کر بھی لیتی تو میں کہاں سے لاتی لیپ ٹاپ۔ کچھ گیلا سا گلے میں اٹکنے لگا تھا۔ وہ نہ بھی کہتا تب بھی میں اس کے احسانوں تلے دبتی جا رہی تھی۔ کاش کہ بابا کچھ پیسے مجھے دے دیتے۔ کاش کہ میرے گھر والے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالتے۔ انسان بوجھ ڈالتا ہے اور بغیر ترس کھائے ڈالتا ہی چلا جاتا ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

وہ راستے میں مجھے روٹ سمجھاتا ہوا آیا تھا۔ میں نے بھی خاموشی سے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا، جبکہ نہ میرا ذہن اس جگہ پر موجود تھا نہ میں۔ زندگی کے کچھ خواب اتنے بد ترین حالات میں مکمل ہوتے ہیں کہ آپ کا دل پکار اٹھتا ہے، تم مر جاتے تو بہتر تھا۔

یونی کے سامنے گاڑی رکنے پر خاموشی سے میں اترنا چاہتی تھی۔ بار بار ایک ہی بندے کے سامنے کتنا روتی۔

"Faculty of Arts, 2nd floor. Just remember your floor so that no one tries to bully you."

میں نے سر پھر اثبات میں ہلایا تھا۔ بولتی تو رو دیتی۔ یہ بات تصدیق شدہ تھی۔

"رونا چاہتی ہو تو رو لو۔ یونیورسٹی کے اندر نہیں رونا۔ یہاں کے لوگ غم نہیں سمجھتے بلکہ اس غم کو تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایک،دو، تین آنسو آنکھوں کی باڑ سے گر رہے تھے۔ کیا تھا جو وہ مجھے جانے دیتا، میرا کچھ بھرم رہ جاتا۔

"ضرور جانے دیتا اگر میں یہاں کے لوگوں سے واقف نہ ہوتا۔"

ایک شاک کا عالم تھا۔ کیا وہ ذہن پڑھ رہا تھا؟

"محترمہ،ذہن بھی پڑھ سکتا ہوں مگر ابھی صرف سن رہا ہوں۔ آپ بول رہی ہیں سوچنے کے بجائے۔"

"میں خود سے بول رہی تھی۔"

"مجھے علم ہے، میرے بارے میں آپ خود سے بات کر رہی تھیں۔"

"مجھے جانا ہے۔"

"میں واپسی پر لینے آجاؤں گا،راستہ تو سنا نہیں تم نے۔ پتہ لگے رات کے دس بجے جب آدھا کینیڈا نیند کی آغوش میں ہوتا ہے میں ملائک کو ڈھونڈ رہا ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں نہیں گم سکتی اس شہر میں۔ ہر گز بھی نہیں۔"

"جی بالکل۔ فی امان اللہ!"

"شکریہ!"

گاڑی کے دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز واضح سنائی دی تھی۔ اوٹاوا میں سردی حد سے زیادہ تھی یا پورا کینیڈا سردی کی لپیٹ میں تھا، میں نہیں بتا سکتی تھی لیکن سردی شدید تھی۔ میں کوٹ نہ پہنتی تو میرے اور برف میں فرق نہ ہونے کے برابر ہوتا۔

ORIENTATION CLASS

یہ بات جب میرے کانوں میں پڑی تو حقیقتاً میرا دل کیا تھا میں چھٹی کر لیتی۔ بھلا مجھے کیا ضرورت تھی اس قسم کی کلاس کی۔ خاموشی سے میں جا کر اپنی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔ میری دائیں طرف ایک لڑکی تھی جس کے کلرڈ بال تھے۔ اہ، ماں کہا کرتی تھیں، "تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ان سر خیوں کو ملنے کی۔"

کلاس کا آغاز ہو چکا۔ مختلف اصولوں سے آگاہی دی جا رہی تھی۔ تعارف لیا گیا اور پھر سب اپنے دروازے۔

"ہیلو!" کلرڈ ہیر مخاطب ہوئی تھیں۔

"ہائے!"

"ملائکہ نام تھا نا آپ کا؟"

"جی، آپ کا؟"

مروت کے ہاتھوں مجبور۔ اف!

"Luna."

یہ تو میرے پڑوس کی بلی کا نام تھا۔

"Ohh, nice to meet you Luna!"

"تو آج سے ہم دوست؟"

عجیب چیکو بلی ملی ہے مجھے۔ خالص انگریز تھی دیکھنے میں۔ کیا بھلا انگریز بھی چیکو ہوتے ہیں؟

"Listen, girl. We are not friends and we never will be.

I don't have time for this. My husband is waiting.

Goodbye."

اگر اب ہسبنڈ صاحب باہر نہ ہوئے تو کتنی سبکی ہوگی اس رنگین لونا کے سامنے۔ ہائے اللہ جی، بچا لیں۔

ابھی اگر ماں سن لیتی تو کتنی ڈانٹ پڑتی مجھے۔ مگر ماں ہوتیں تو کیا میں ادھر پھنستی۔

زوہیب کے آثار بھی نظر نہ آرہے تھے۔ میرا فون میں اسلام آباد میں بطور تحفہ چھوڑ آئی تھی یعنی واپس مکمل طور پر مفلوج۔ زوہیب کا نمبر وہ بھی نہیں تھا۔ میں نے ہیل کی آواز سنی تھی۔ ایک تو اوٹاوا یونیورسٹی کی سیڑھیاں۔۔۔

"Seems your husband doesn't care enough to show up… girl."

اف، رنگین لونا۔

"Luna, mind your own business."

"کیا تم مجھ سے دوستی نہیں کرو گی؟" گھر جا کر ایک دفعہ اپنی شکل ضرور دیکھو گی۔ کیا ہے مجھ میں جو یہ دوستی لازماً ہی کرنا چاہتی ہے۔

"تم مجھ سے دوستی کیوں کرنا چاہتی ہو؟ میں بتا چکی، میں دوست نہیں بناتی۔"

غم کا تاثر میں نے اس کی آنکھوں میں اترتے دیکھا تھا۔ کیا تھا جو اس کو غمگین کر رہا تھا۔ کہیں اندر سے آواز گونجی تھی، ملائکہ، لوگوں سے بے رخی نہیں برتتے۔ ماں یار۔

"I'll think about it. He is here!"

"Ok! Take my number."

چہکتے لہجے میں اس نے یہ جملہ کہا تھا اور نمبر ایک کاغذ پر لکھ کر میری جانب بڑھا بھی دیا تھا۔ غائب دماغی کے عالم میں کاغذ میں نے بیگ میں ڈال دیا۔

میں باہر کی جانب جا رہی تھی۔ دوست؟

کسی دوست کی ضرورت نہیں رہی تھی مجھے۔ میری دوستیں تو اسلام آباد میں ہی رہ گئیں۔

ماں، ماہم، عمارہ۔

ان کے علاوہ تو کوئی دوست نہیں تھا میرا۔ مجھے علم نہیں تھا اپنی سوچوں سے لڑتے میں کس جگہ جا رہی ہوں، مگر میں چل پڑی تھی۔ بس اسٹاپ پر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی یہ جانے بغیر کہ یہاں پر آنے والی بس کہاں لے کر جاتی ہے۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

باب دوازدہم

میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں کچھ دیر سے اس کو پک کروں گا مگر مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ اس اندازسے یونی سے نکل جائے گی اور مجھے سڑکوں پر اس اندازسے پھرنا پڑے گا تو یقیناً میں وقت سے پہلے وہاں موجود ہوتا۔

یونیورسٹی کے قریب بس اسٹاپ پر وہ نہیں تھی۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ گھر کا پتہ کیا ہے۔ صبح اس نے بس کے اسٹاپ غائب دماغی کے عالم میں سنے تھے۔ وہ اس وقت جس مقام پر ہوگی اس کا بھی اس کو علم ہر گز نہ ہو گا۔ مجھے یقینا پولیس کے دروازے پر دستک دینی تھی۔

بائے ورڈ مارکیٹ سے ہوتے میں نے اسٹیشن تک جانے کا سوچا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بائے ورڈ مارکیٹ!

لوگوں کے ہجوم کا منہ بولتا ثبوت۔ کینیڈا کے لوگوں کو کھاتے دیکھنا ہو تو اس جگہ کا رخ کرنا لازم ہے۔ سٹریٹ پرفارمینس اس جگہ پر ملیں گی۔ زندگی جس مقام پر بولتی ہو وہ یہ جگہ ہے ۔ ہر ایونٹ پر یہ جگہ اپنا رنگ لازما بدلتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا پسندیدہ مقام۔ اسی سٹریٹ

کے درمیان میں ایک جگہ پر اوٹاوا کے حروف انگریزی میں نسب ہیں اور تعجب کی بات بتاؤ

۔

Ottawa

نام کا ایک حروف بھی غائب نہیں ہوا بلکہ بہت ہی شان سے اپنی جگہ نسب ہے اور رات کے اندھیرے میں جگمگاتا بھی ہے۔

اوٹاوا نام کے حروف چمک رہے تھے۔ اسی لمحے میری نظر اس وجود پر پڑی تھی جس کو ڈھونڈتے میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ ملائک وہاں موجود تھی۔ فوڈ سٹال پر کھڑی کھانوں کا معائنہ کرتی ہوئی۔ ایک ہاتھ میں ٹشو پیپر دبائے دوسرے میں بیگ کی سٹرپ پکڑے۔ وہ کھانے پر جھکی تھی۔

یہ ہر چیز اس شہر کی نہیں کھا سکتی اس کو علم ہونا چاہیے تھا۔

گاڑی پارک کرتے اور اس کے سر تک پہنچتے وہ نجانے کیا کچھ دیکھ چکی تھی یا کھا چکی تھی اس کا فیصلہ مجھے اس کی حالت دیکھ کر ہونا تھا۔ وہ اس فوڈ سٹال پر کھڑی، کھانے کو اسی شوق سے دیکھ رہی تھی۔

"ملائک!"

وہ پلٹی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں بھی بھرنے لگی تھیں۔

"میرے ساتھ آؤ۔ کہیں بیٹھ کر سنتے ہیں تمھیں۔"

وہ کھڑی رہی تھی۔ اس کا ہاتھ تھامتے میں اس کو

Turkish palace

لے گیا تھا۔

~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~~•~

باب سیزدہم

غائب دماغی کے عالم میں نکل کر بس پر چڑھنا اور اس بس سے اترنا نہایت آسان تھا مگر انجان شہر میں لوگوں کی بھیڑ میں نامعلوم گھر کی تلاش میں نکلنا اذیت ناک تھا۔ جلی حروف میں لکھا اوٹا وا جگمگا رہا تھا، قریب ہی سٹال تھا فوڈ سٹال۔ خاموش نظروں نے فوڈ سٹال کو دیکھا تھا۔

کیا رات اسی سڑک کی نظر کرنی تھی مجھے؟

زندگی میں پہلے دفعہ میں نے محسوس کیا تھا کہ جب رہنے کے لیے مکان نہ ہو تو ہر غم پیچھے رہ جاتا۔ انسان غم اسی صورت منا سکتا ہے جب اس کے پاس رہنے کے لیے چھت، کھانے کے لیے کھانا اور آرام کرنے کے لیے آرام دہ بستر ہو۔ جب یہ سب ہو تو بند کمرے میں یا لوگوں کی محفل میں رونا بہت سہل ہوتا ہے مگر آج چھت نہ ہونے پر، کھانا نہ ہونے پر مجھے نہیں یاد رہا کہ میں نے ماں کو کھویا ہے۔ مجھے یاد تھا تو بس اتنا کہ میں اس لمحے بے گھر ہوں، خالی ہاتھ ہوں۔ یہاں پر چلتے ہر شخص سے حقیر۔

فوڈ سٹال کے پاس کھڑے ہو کر اگر کوئی چیز میں شدت سے چاہتی تھی تو وہ زوہیب کی موجودگی تھی۔ اگر کوئی کہتا تھا کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا تو وہ ٹھیک کہتا تھا۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا چاہے ایک حصہ سو جائے مگر پورا وجود؟

وہ زندہ رہتا ہے جیسے میرا وجود ایک کونے سے دیمک کی مانند تھا اور دوسری جانب ہر حس زندہ تھی۔

فوڈ سٹال پر طرح طرح کے کھانے اور جیب کیا اس میں کچھ تھا؟

ہاں زوہیب کے سپرد کردہ چند ڈالرز۔

فوڈ سٹال کے پاس کھڑے میری سوچوں کا مرکز کسی کی جانب تھا تو وہ زوہیب تھا۔

انسان خاص کر ایک عورت کو مالی مضبوطی اپنی عزت کے لیے چاہیے تھی۔ کیا تھا جو وہ ایک بار بھی کہہ دیتا کہ میں تمھیں یا تمھاری جانب سے کسی خرچے کو اٹھانے کا فیصلہ نہیں کرتا۔ کیا ساری زندگی اپنی جیب میں چند ڈالرز کو دیکھتے اس سوچ کو مجھ پر سرایت ہونا ہو گا

Clubb of Quality Content

کہ زوہیب سہارا ہے۔ کون سی عزت نفس باقی رہی تھی میری؟ کیا تھا جو آج وہ سوچ لے کہ اچھا ہے گم ہو گئی مجھ پر سے بوجھ اتر گیا۔ بوجھ، عزت نفس کی دھجیاں اڑنا اورر۔۔۔

ذہن کو سوچوں سے نکالا تھا اس آواز نے۔۔۔

کیا زندگی میں ہر تلخی اس آواز سے مٹنی تھی، ہر نا امیدی پر اس آواز نے امید کی راہ دیکھلانی تھی، ضبط ہوتے آنسوں کو اس آواز نے ہی نکلنے کی اجازت دینی تھی۔

مجھے ٹھہرنے کا کہہ کر جارہا تھا۔ ٹھہر تو میں اسی دن گئی تھی جس لمحے میں نے خود کو ماں کی گرمائش سے آزاد کیا تھا۔ اب گھر بھی تھا، کھانا بھی اور آرام دہ بستر بھی۔ سوچوں کا داخلہ ممنوع کیونکر کرتی اس لمحے؟

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

شوارمہ؟

خاموش نظریں بولتی تو وہ یقیناجان جاتا مجھے اس لمحے کھانے سے زیادہ زندگی کی اہمیت کو جاننے کی ضرورت ہے۔ ہم فوٹ پاتھ پر ساتھ چل رہے تھے۔ برف باری ابھی شروع نہیں ہوئی تھی مگر سردی پھیل چکی تھی۔

"ملائک،یونیورسٹی کیوں نہیں رکی؟"

کیا بول سکتی تھی میں کہ سوچوں کے تسلسل نے ایسے گھیرا کہ میں بھول گئی میں کدھر سے کدھر جارہی ہوں۔ مجھے کون سی سڑک گھر پہنچائے گی اور کون سی سڑک اس ہجوم زدہ ماحول میں لے آئے گی۔

"کیونکہ مجھے وہاں نہیں رہنا تھا۔"

مبہم جواب کیا باتیں واضح کر سکتا تھا؟

"کیوں؟"

"کیونکہ وہاں ایک لڑکی مجھ سے دوستی کی خواہشمند تھی۔"

"تم نے کیوں نہ چاہا کہ وہ تم سے دوستی کرے؟ میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟"

"دوست بنانے کی وجہ ہوتی ہے۔ میں اس وجہ سے آزاد ہو چکی ہوں۔ مجھے کسی کی مدد نہیں چاہیے۔ مجھے کسی سے بات کرنے کی خواہش باقی نہیں رہی۔ میری زندگی میں جو دوست تھے وہ مٹی تلے سو گئے یا مجھے پردیسی کر چکے۔"

"میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟"

"کیونکہ انتظار بے کار ہوتا ہے۔ خالی ہاتھ لوٹا دیتا ہے۔ خالی دامن میں پہلے دن سے ہوں، خالی ہاتھ دیکھنے کی خواہش اور ہمت مجھ میں باقی نہیں رہی۔"

"تم میرے انتظار میں خالی دامن نہیں لوٹو گی ملائک۔ میرا انتظار تمھیں کبھی مایوس نہیں کرے گا۔"

اگر زندگی میں مجھے کسی چیز سے شدید الجھن ہوئی تھی تو میرے بہتے آنسو تھے۔ ساری دنیا کے سامنے یہ تھم سکتے تھے مگر کیا کسی کے چند جملوں پر یہ تھم سکتے تھے اور وہ چند جملے کہنے

والا واحد فرد میرے ساتھ سیاہ بوٹ پہنے ہم قدم چل رہا تھا۔ کیا ساری زندگی میرے ہمقدم ہی رہے گا یہ شخص؟

"ملائک، دوست اہم ہیں۔ زندگی میں ضروت کی بناء پر نہیں بنائے جاتے۔ دوست بس بغیر مقصد کے بنائے جاتے۔ وہ جن سے کبھی آپ دل کے الفاظ کہہ ڈالتے ہیں، کبھی وہ آپ کو اپنے دل کے الفاظ دے دیتے ہیں۔ وہ جن کے ان کہے الفاظ جاننے کی تمنا کیے آپ ان کے ساتھ چلتے ہیں۔ ان کے گرنے پر ان کو تھامنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے لڑکھڑانے پر ہمقدم ہو جاتے ہیں۔ ملائک، دوست چھوڑ کر نہیں چھوڑتے۔ دوستوں کی خوشگوار یادوں میں ہم تا عمر رہتے ہیں۔ ان کی دعاؤں میں ہم رہتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ خوش قسمت کون ہو گا جس کا دوست اس کے لیے دعا کرے؟"

"معلوم ہے جدائی کیا ہے۔۔۔ زوہیب؟"

"کسی کو ہمیشہ رہنے والی زندگی میں کھو دینا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جون ایک مشکل مہینہ رہا زوہیب اور اب دل میں خواہش جاگتی ہے کہ گھڑی کی سوئیوں کو خود گھوما کر زندگی کا اختتام کر دوں۔ کچھ صفحات زندگی کی ڈائری سے نکال پھینکوں، کچھ واقعات کو ایسے ذہن کے حصے سے اکھاڑ کر پھینکوں کہ کوئی چاہ کر بھی واپس نہ لا سکے۔

پانی کی بوندیں قطرہ قطرہ زمین بھگوتی ہیں اور میرے دل پر گرنے والے آنسو قطرہ قطرہ مجھے فنا کرتے ہیں۔ میں زندہ ہوں تو اس امید پر کہ آگے کچھ اچھا ہو گا۔ اگر میں فنا نہیں ہو رہی تو وہ اس لیے کہ ابھی وقت مقرر نہیں پہنچا۔

اگر جنگ کرتے ہوئے اندازہ ہو جائے کہ آپ کمزور ہیں تو آپ بھاگ جانے والوں میں سے ہوتے ہیں۔ خود سے لڑی گئی جنگوں میں خود کو کمزور جان لیں نازو ہیب تو قدم اور دل دونوں بیک وقت لڑکھڑاتے ہیں کبھی نہ جمنے کے لیے۔ قدم جم جائیں تو وہ ہل نہیں سکتے۔ تم ،میں یا دنیا کی کوئی بھی طاقت ان کو ہلا نہیں سکتی۔ میں اپنی کمزوری جان گئی ہوں زوہیب۔ میرے اندر اتنی طاقت نہیں رہی کہ میں لوگوں سے تعلق جوڑ کر خود کو توڑوں۔"

"ملائک، خوف تو تب تک سر ائے گا جب تک اس کا سامنا نہیں کر و گی۔ دوستی کے لیے ہاتھ بڑھاؤ۔ آنے دو اپنے خوف کو سامنے۔ مقابلہ کرو، ہر میدان میں جیت نہ بھی ملے تو آپ کا نام ان لوگوں میں ہوتا ہے جو کو شش میں لگے رہے۔ فرار مرہم نہیں بزدلی ہے۔"

لوگوں کے ہجوم میں دو فرد ایسے تھے جو خاموش تھے۔ تم حیران نہ ہونا جب میں تم سے کہوں کہ اندر کی خاموشی باہر کے شور کو بھی ساکت کر دیتی ہے۔

"دن کیسا گزرا؟"

"کیا یہ مقام تصدیق نہیں کہ میرا دن کیسا گزرا؟"

"تو کل میں تمھیں ایسے مقام سے پک کروں گا جو اداسی یا مایوسی کی نوید نہ ہو۔"

گاڑی کے سوار گاڑی میں بیٹھ چکے۔ خاموشی دائرہ وسیع کرتی گئی اور اس وسیع دائرے کی لپیٹ میں سوچیں بھی شامل ہو گئیں۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

طے یہ پایا کہ ایک فرد خاموش سوچوں کے ساتھ گاڑی چلائے گا۔ دوسرا فرد خاموش سوچوں کے سنگ کینیڈا کا اداس اوٹاوا دیکھے گا۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

باب چہاردہم

"پروفیسر بھی سوچوں میں ڈوب کر ارد گرد سے غافل ہو جاتے ہیں کیا؟" سفید کمرے کا دروازہ بد تہذیب دوست نے دھڑام سے کھولا تھا۔

"پروفیسر اگر انسان ہوں تو لازما یوں ہی ہوتا ہے دوربین صاحب۔"

"اگر پروفیسر لوگوں کو امید تھمانے والے ہوں تب بھی یہی ہوتا؟ دماغ کی دنیا کے مسافر ؟"

"امید تھمانے والے بھی امید کھوتے ہیں۔"

"پھر تو ایسے لوگوں کو جھٹ پٹ امید تھام لینی چاہیے کہ دیر تباہی لاتی ہے۔ سر جی کہوں یا ڈاکٹر جی؟"

"نام بھی لیا جا سکتا تھا دوربین جی۔"

"بکواس نہیں کر۔ مسئلہ بتا۔ کان منتظر ہیں کہ آپ کی سریلی آواز کو سن کر دل میں اتاریں۔"

"جس کے دل میں اترنی چاہیے اس کے دل میں اتر نہیں رہی۔ تیرے دل میں اتار کر میں نے کیا کرنا ہے۔"

"ارے، آپ ہیں جورو کے غلام۔"

"ارے آپ ہیں کنواروں کے سردار!"

"بس کر جملے بھی رکھ رکھ لگائی جا رہا۔ بیگم سے تو شیریں کلامی بند نہیں ہوتی ہو گی۔ کھانے بھی رکھتا ہو گا اس کے آگے اور ہمیں طنز مارے جا رہے۔"

کچھ دیر سفید دیواروں والے کمرے میں مکمل خاموشی کا راج رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اب کچھ بولے گا یا پردہ ہے تیری آواز کا مجھ سے؟ اتنی منہوس شکل کیوں بنا کر بیٹھا۔ تجھے دیکھ کر مریض نے کہنا ہے اسے تو خود ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

"تھکا ہوا ہوں۔ بس گھر جانے لگا۔"

"زوہیب صاحب، چہرے پر لکھا ہے تھکا ہوں۔ تھکاوٹ بتا۔"

"تو جب لکھا تھا تو میرے الفاظ کیوں ضائع کیے ہیں۔ جنگلی انسان۔"

عیسی نے درمیانی انگلی سے ناک پر ٹکی عینک اوپر نیچے کی تھی۔

"یہ بھائی کا سٹائل ہے سر زوہیب!"

"بھائی صاحب، آپ پھر اپنے سٹائل کے ساتھ رخصت ہو جائیں۔"

"عورت نظر آتا ہوں کہ رخصت ہو جاؤں؟ سیدھی طرح بول دے زوہیب جب تک بولے گا نہیں تو بھی ادھر میں بھی ادھر۔"

"مجھے لگتا ہے کہ مجھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔" دیوار پر نظریں جمائے وہ بولا تھا۔

"کیا تو مرنے لگا ہے؟"

"جاہل! سایکاٹریسٹ کے پاس جانا ہے۔ عقل کمرے سے باہر رکھ کر اندر آتا ہے ہر بار؟"

"کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ مسٹر زوہیب یعنی تو سایکاٹریسٹ کا رخ کرے؟"

"مجھے نہیں لیکن میری بیوی پر یہ خاصا جچتا ہے۔"

"تو پھر کیا سوچا ہے؟ تو خود اس کا علاج کیوں نہیں کرتا؟"

"میں اس علاج کر ہی نہیں سکتا۔ میری بیوی ہے وہ۔ بیوی کو میں یہ تو بتا سکتا ہوں کہ تمھیں یہ یہ کرنا ہے مگر اس کے عمل نہ کرنے پر سختی مجھ سے نہیں ہوگی۔ میرے لیے سب سے مشکل امر یہ ہے کہ وہ مجھے سنجیدہ لے۔ میرے الفاظ کو، میری کہی بات کو اہم جان کر عمل کرے۔ میں چوبیس گھنٹے اس کے سامنے ایک ڈاکٹر کی شکل میں گھومنا نہیں چاہتا۔"

"کیا واقعی یہ وجہ ہے؟"سوال غیر یقینی ہوتا اگر مقابل عیسی نہ ہوتا۔

"نہیں حقیقی وجہ یہ ہے کہ میں اس کے فلاز سے بے خبر رہ کر اس کو قبول کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے ٹراماز سے باخبر ہو کر اس کی زندگی کو مشکل دنوں میں اس پر تنگ کرنے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ کسی بھی صورت میں، میں انسان ہوں۔ شوہر ہوں، مرد ہوں۔ بظاہر میں اس کا خیر خواہ ہوں مگر جس دن وہ میرے خلاف ہو گی اس دن میں سب سے پہلے اس کی خامی کا تذکرہ کروں گا۔ سب سے پہلے اس کے رستے زخموں پر وار کرونگا۔ بہت عام طریقہ جو ہر مرد اپناتا ہے لڑائیوں کے درمیان وہ یہی ہے کہ عورت کی کمزوری پر وار کرنا۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میں اپنی بیوی کے فلاز کو پروٹیکٹ کرنے کے بجائے یوز کروں۔ پروٹیکٹ میں اسی صورت کر سکتا ہوں جب میں اس کو ایک ڈاکٹر سے زیادہ شوہر بن کر سنو۔ اس کو خود کے بجائے کسی اور کے سامنے کھلنے کا موقع دوں۔"

"تم وہ کسی اور تلاش کر چکے ہو؟"

خاموشی سے سر ہلایا گیا تھا۔

"اگلا سفر اسی کی جانب ہے؟"

دوبارہ پہلا عمل اسی جوش سے کیا گیا تھا۔

"پھر رب کے امان میں، پاگلوں کے ماہر!"

"رب کے امان میں دوربین!"

یہ عیسی تھا جو کہ پچھلے چند سالوں سے زوہیب کا ساتھی تھا۔ ان لوگوں کا ساتھ میڈیکل کالج سے بنا تھا اور اب تک یونہی قائم تھا۔

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سماعت تک آتی ہے۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

گھر کا صدر دروازے کے کھلنے پر میں نے سارے گھر کو اندھیرے میں گھرا دیکھا تھا۔ راہداری میں کمرے کے دروازے کے پاس کپکپاتے وجود کو دیکھ کر میرے قدم رکھنے تھے۔ جان نکلنا کیا ہوتا ہے اس کیفیت کو میں اس لمحے محسوس کر رہا تھا۔ وہ ملائک تھی۔

اپنی سانس بحال کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتا وجود، ملائک کا تھا۔ میں اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔

"ملائک، گہرے سانس لو۔"

پینک اٹیک کا دورہ وہ پہلی مرتبہ نہیں دیکھ رہا تھا مگر کسی اپنے کو اس کیفیت میں مبتلا ہوتا میں پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔ اگر کوئی تکلیف دہ منظر کی وضاحت پوچھتا تو میں بے ساختہ اس منظر کو یاد کرتا جہاں ایک انسان اپنی روح کھو رہا تھا۔

میں سایکاٹریسٹ تھا، طرائق جانتا تھا مگر اس کیفیت میں خود کو سنبھال کر دوسرے کو ترجیح دینا کٹھن تھا۔ چند مسلسل کوششوں سے وہ نارمل ہو چکی تھی مگر آج کا واقعہ اس بات کی تصدیق تھا کہ اس وقت ملائکہ کو کسی کی اشد ضرورت تھی تو وہ سایکاٹریسٹ تھا۔

~•~

باب پانزدہم

رات کے اندھیرے میں جہاں ہر سو خاموشی تھی وہاں کسی کے کمرے کا بلب نیم روشن تھا ۔ کمرے میں خاموشی کا دور ویسا ہی تھا جیسے باہر خاموشی کا عالم تھا۔ کوئی پاس سے گزرتا تو یوں ہی محسوس کرتا جیسے کمرے کا مسافر اس نیم روشنی میں سونے کا عادی ہو مگر کوئی گزرتا تو یقیناً جان لیتا کہ کمرے کا مسافر بے آواز رونے کا عادی بھی ہے۔ بے خوابی کی کیفیت پچھلے کچھ عرصے سے زندگی کا حصہ تھی۔ رات کے پہر جہاں ہر کوئی سکون کی نوید پاتا ہے وہاں کسی کا وجود تھا جس کی نظروں سے سکون تو کسی دوسری دنیا کا مسافر معلوم ہوتا تھا۔ جس کا ہم و غم ایک انسان کی موت بن چکا۔ جس کے جانے نے اس کو جیتے جی مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ یکدم اضطرابی کیفیت مقابل پر حاوی ہوتی ہے۔ اس کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔ کمرے میں گھٹن کا احساس اتنی شدت سے گھیرا تنگ کرتا گیا کہ وہ خود کو گھسیٹتے باہر کی جانب بڑھی تھی۔ کپکپاتا وجود، اکھڑتی سانسیں لیے اس ماحول سے نکلنے کی جستجو کر رہا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ میں نے دروازے کو کھولا تھا۔ آنسوں کا ایک ریلا

تھا جو مسلسل میری آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ بد ترین حال کیا ہوتا ہے اور کیسا ہوتا ہے میں نے محسوس کیا تھا۔ سینے پر کسی بھاری بھر کم بوجھ کا ہونا کیسے ہوتا ہے یہ میں نے جانا تھا۔ موت ماں کی تھی اور مر میں رہی تھی۔ لمحہ بلمحہ۔ اگر اس وقت زوہیب میرے سامنے آ کر نہ بیٹھتا تو یقینا میری روح پرواز کر جاتی۔ میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور یہ دوسرا انکشاف تھا جو مجھ پر ہوا تھا۔ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس سب کے ہو جانے پر بھی میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔

~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~-~

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آج زوہیب میرے سامنے آ کر بیٹھا تھا اور بہت آہستگی سے اس نے کہنا شروع کیا تھا کہ مجھے دماغی طور پر ٹھیک ہونے کے لیے ایک ساتھی کی ضرورت ہے ایسا ساتھی جو مجھے میرے مسائل کا حل بتا سکے۔ نپے تلے الفاظ میں وہ مجھے پاگل کہہ رہا تھا مگر وہ اس بات کا اقرار نہیں کر رہا تھا جب میں نے اس سے کہا کہ تم مجھے پاگل سمجھتے ہو تو اس نے نہایت

نرمی سے کہا تھا کہ میں تمھیں ایسا انسان سمجھتا ہوں جو کر اُس سے گزر کر اٹھ تو گئی ہے مگر لڑ نہیں پا رہی۔ میری خواہش ہے کہ میری بیوی لڑنا سیکھ جائے۔ بھلا لڑنا مجھے کچھ دے سکتا ہے؟

مجھے لڑ کر آخر کرنا کیا ہے؟ مجھے مرنا بھی نہیں تھا مگر مجھے جینا بھی نہیں تھا۔

میں نے خاموش نظروں سے اس کو دیکھا تھا مگر اپنے دماغ میں اٹھنے والے طوفان کو نگلنا اگلنے سے بہتر سمجھا۔ نگلنا پردہ تو رکھتا ہے اگلنا تو صحرا میں تپتی دھوپ میں کھڑے ہونے جیسا ہے۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

معمول کے مطابق میں یونیورسٹی جاتی تھی۔ معمول کے مطابق وہ عجیب و غریب سی چپکو لڑکی بے شرموں کی طرح میرے ساتھ آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ چھٹی کے وقت زوہیب وقت پر مجھے لینے آجاتا، نہ اس نے مجھے پھر موقع دیا کسی بس پر بیٹھنے کا، نہ میں نے خود کو شش کی گھر جانے کی۔ وہ آجاتا تھا، لے جاتا تھا، نہ لے کر جاتا تب بھی مجھے مسئلہ نہ ہوتا کیونکہ سڑکوں پر

لوگوں کے ہجوم کا حصہ بننا کچھ ایسا معیوب بھی نہ تھا، وہ بالآخر مجھے ڈھونڈ ہی لیتا۔ خاموشی سے تیار ہو کر میں باہر نکل آئی تھی۔ سرد ہوا کا جھونکا میں نے خود سے ٹکراتے دیکھا تھا۔ کینیڈا اور اس کی سردی سے بے لوث محبت۔ گاڑی کے اندر بیٹھنے پر میں معمول کے مطابق باہر دیکھ رہی تھی کہ اس خاموش سفر میں وہ مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

"دراصل بات کچھ ایسی ہے کہ میرا ایک سیشن ٹورنٹو میں ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے چند دن وہاں رہنا ہو گا۔"

"اوکے" اگر وہ نہ بھی ہوا تو میں کون سا اس کے آگے پیچھے گھوم رہی ہوں کہ مجھے پرواہو۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں خود بھی نہ جاتا اگر میرا جانا ضروری نہ ہوتا۔"

انداز ایسا تھا جیسے وضاحت دے رہا ہو۔

"لیکن میں گھر رہنا چاہتی ہوں۔ تم چلے جاؤ۔" اس کے چہرے پر فکر کے آثار واضح نظر آنے لگے تھے۔

"ملائک! تمھاری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں یوں تمھیں اکیلا چھوڑ سکوں۔ تم یہاں کے لوگوں سے، جگہوں سے واقف نہیں ہو۔" اگر وہ چند دن پہلے مجھ سے سایکاٹریسٹ کے متعلق بات نہ کرتا تو یقیناً میں ایسا تلخ انداز نہ اپناتی۔

"تم مجھے سمجھا دینا میں دیکھ لوں گی۔ مجھے ان جگہوں کا بتا دینا جہاں میرا جانا ضروری ہو جیسے یونیورسٹی یا کوئی فوڈ کارنر۔"

"اگر تم یہاں رہو گی تو بہتر ہے تم یونیورسٹی نہ جاؤ۔ میرے بتائے ہوئے راستے تمھیں یاد نہیں رہتے۔ جو تمھیں یاد رہتا ہے وہ تمھیں شہر کے دوسرے کونے پہنچا دیتا ہے۔ ایسا رسک لینا کسی کے لیے جان لیوا ہو نہ ہو میرے لیے حقیقتاً یہ جان نکل جانے جیسا ہوتا ہے۔ ٹورنٹو بیٹھ کر میں اندازہ نہیں لگا سکتا کہ میری بیگم اوٹاوا کے کس حصے میں گمشدہ ہیں اور ان کو گھر کا راستہ بھی معلوم نہیں ہے۔"

ہتک کا جو احساس اس لمحے مجھے ہوا تھا شاید آج سے پہلے اس شدت پر نہ ہوا تھا۔ شاید یہ ہتک کا احساس ہی تھا جس نے مجھے اس قدر جذباتی جملہ کہنے پر مجبور کیا تھا۔ پہلے سایکاٹریسٹ کے پاس جانے کا مطالبہ اور اب کینیڈا کی پہلی تلخ گفتگو۔

"میں اب سے گھر خود آیا کروں گی اپنی گاڑی میری خدمت میں نہ لگانا۔ راستہ گھر آنے کا میں خود دیکھ لوں گی۔"

میری خوش قسمتی تھی یا بد قسمتی کے یونیورسٹی کے سامنے ہم پہنچ چکے تھے۔ غصہ جب سر پر سوار ہو جائے تو اگلے کا جملہ سننے سے پہلے ہی باہر نکل آنا چاہیے۔ یہ قول میرا ہی تھا اور اس پر عمل بھی میں نے ہی کیا تھا۔ ایک کلاس لینے کے بعد وقت سے پہلے ہی میں یونیورسٹی سے نکل آئی تھی تا کہ زوہیب کے پہنچنے سے پہلے میں یونیورسٹی کے کسی بھی حصے میں اس کو نظر نہ آؤ۔ بات انا کی تھی اور یہ انا اس وقت حقیقتاً میرے گلے کا طوق بن گئی جب میں بس پر سوار تو ہو گئی تھی مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ میرا اسٹاپ کیا ہے اور میں رہتی کدھر ہوں۔ بس پر بیٹھے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ گھر جس میں میں پچھلے چند ماہ سے رہ رہی ہوں اور معمول کی

بنیاد پر میں وہاں سے باہر بھی کار ہی ہوں اور واپس بھی آر ہی ہوں، اس کا راستہ مجھے نہیں معلوم۔ زندگی میں پہلی دفعہ میں نے زوہیب کو چھوڑ کر کینیڈا میں کسی اور پر اعتبار کی سیڑھی بڑھائی تھی اور وہ میری زندگی کی سب سے احمقانہ حرکت تھی۔

~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~•~

جاری ہے!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842